www.urducouncil.nic.in

فروری 2024، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟
2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟
3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟
4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟
5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟
6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟
7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟
9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟
10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟
11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟
12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟
13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟
17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہورہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!
22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟
23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

بچوں کی دنیا

جلد: 12 شمارہ: 02 فروری 2024

مدیر : پروفیسر دھننجے سنگھ

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم ـ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/روپے، سالانہ 100/روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

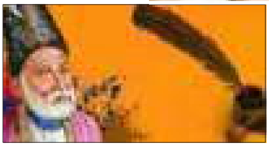
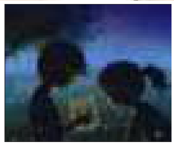

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
غالب کی ظرافت	محمد اسرار	07
ہماری زندگی میں پرندوں کی اہمیت	نسیم سعید	09
نظمیں		
قلم	ارشد مینا نگری	13
ممی	شیدا بگھونوی	13
موبائل	شکیل انجم	14
چاند	منور داناپوری	15
میرا کوئی نہیں	محمد مصطفی	16
جگنو اور انسان	ناصر الدین قمر الدین ناصر	16
انٹرویو		
سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ اخلاقی تربیت پر زور بہت ضروری ہے	متین الدین	17
ڈراما		
کلو میاں اور ٹائیگر	انیس اعظمی	21
قسط وار ناول		
جنگل کی کہانی / رمیش نارائن تیواری	مترجمہ: زینت شہریار	24
انشائیہ		
چھتری	خالد نصیر ہاشمی	28
کہانیاں		
مینڈک	شاہ تاج خان	31
بولتا شیر	شیخ حسین	35
حاسد لومڑی	انصار احمد درویش	38
جنو میاں کی شرارت	اسید اشہر	41
اصلی وفادار دوست	مفتی محمد الیاس ندوی	43
آدابِ فرزندی	سید اسد تابش	46
کھیل کھلاڑی		
ٹیسٹ کرکٹ میں پہلی مرتبہ ہونے والے واقعات	احفاظ الحق انصاری	48
بچوں کا کتب خانہ		
بچوں کی مسکان / سیدہ فرحت	عبدالباری	53
زبان شناسی		
بے موقع یا غلط استعمال ہونے والے الفاظ	سید بدر الحسن	56
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	57
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		58
ننھے فنکار		
پینٹنگ		59

پیارے بچو! 21 فروری دنیا بھر میں 'یوم مادری زبان' کے طور پر منایا جاتا ہے، مادری زبان وہ ہے جسے بچہ اپنے والدین اور رشتے دار وغیرہ سے سنتا اور بولنے کی کوشش کرتا ہے، دادا، دادی سے بچپن میں کہانیاں سنتا ہے جس سے دھیرے دھیرے اس کی سمجھ اور زبان پختہ ہوتی چلی جاتی ہے، اور بغیر کسی دباؤ اور الجھن کے وہ بہت سے الفاظ اور جملے سیکھ لیتا ہے، یوم مادری زبان منانے کا مقصد مادری زبان کی حفاظت اور اس کی بقا ہے، مادری زبان ہماری وراثت ہے اور اس کی حفاظت ہم پر لازم ہے،

مادری زبان سے ہمارا جذباتی رشتہ ہوتا ہے، یہی وہ زبان ہے جس کے ذریعے ہم تہذیب وتمدن اور اخلاقیات سے واقف ہوتے ہیں، ابتدائی اور بنیادی تعلیم کے لیے بھی مادری زبان بے حد اہم ہے، مادری زبان میں مافی الضمیر کی ادائیگی بھی آسان ہوتی ہے، دوسری زبان جیسے عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ سیکھنے میں کافی وقت لگ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے مادری زبان ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ماہرین تعلیم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہو تو دوسری زبانیں بھی بچے بآسانی سیکھ سکتے ہیں اور مختلف میدان میں اپنا کیریئر بنا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں اس بات کا خاص التزام کیا جاتا ہے کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہی ہو اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی سامنے آئے ہیں۔

بچو! ہر قوم، ملک اور علاقے کی اپنی زبان ہوتی ہے، ہندوستان میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں انھیں میں ایک زبان اردو بھی ہے، یہ وہ زبان ہے جسے ہم نے ماں کی گود میں سیکھا ہے، اسی زبان کے ساتھ ہم بڑے ہوئے ہیں، یہ وہ زبان ہے جسے ہم نے بغیر کسی محنت ومشقت کے سیکھا ہے، یہ ہمارے رابطے کی زبان بھی ہے۔ اس لیے اس زبان کی حفاظت اور اس کی ترویج واشاعت کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، اس لیے اردو زبان پڑھیں، لکھیں اور اس سے محبت کریں، اس زبان میں ہمارا تہذیبی، ثقافتی، ادبی اور سماجی ورثہ محفوظ ہے، اگر اس زبان کو سیکھنے اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کی تو یقیناً ہم ایک قیمتی اثاثے سے محروم ہو جائیں گے۔

پیارے بچو! یہ اکیسویں صدی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ یہ مسابقے اور مقابلے کی صدی ہے تو غلط نہ ہوگا، اس لیے اپنے آپ کو ہر امتحان کے لیے تیار کریں، اردو کے ساتھ دوسری زبانیں بھی ضرور سیکھیں، ان سے آپ کے لیے مستقبل کی راہ آسان ہوگی، اور دوسری زبانوں میں پائے جانے والے علمی ذخائر سے بھی آپ مستفیض ہو سکیں گے۔ آپ کی سمجھ اور دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے فروری 2024 کے شمارے میں خوبصورت اشعار دیے جا رہے ہیں، آپ اسے پڑھیں، یاد کریں اور ان کا بروقت استعمال بھی کریں، اس کے استعمال سے آپ کی تحریر وتقریر میں اثر پیدا ہونے کے ساتھ آپ میں خود اعتمادی بھی آئے گی۔

آپ کا

پروفیسر دھننجے سنگھ

ڈاک خانہ

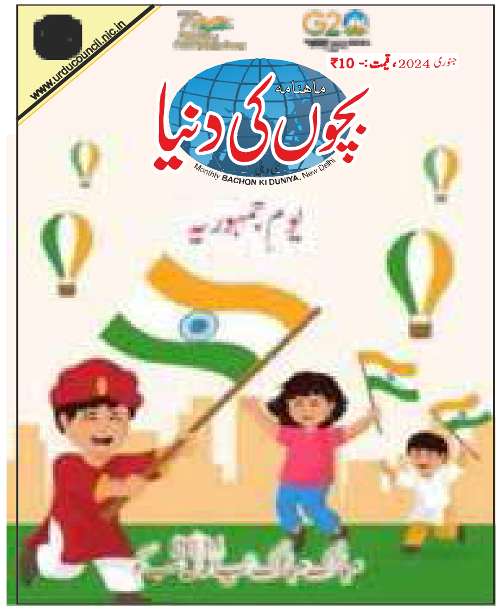

’بچوں کی دنیا‘ جنوری کا شمارہ بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ رسالہ روز افزوں ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے اب آپ کی ادارت میں مزید نکھار دکھائی دے رہا ہے، بلاشبہ دیگر زبانوں کے رسائل میں اپنی جگہ بناتا نظر آرہا ہے۔ میں چھوٹے بچوں کی طرح نئے شمارے کا بے چینی سے منتظر رہتا ہوں اور مصروفیات سے وقت چرا کر اس کا مطالعہ کرتا ہوں۔

اداریے میں آپ نے ننھے قارئین کے سامنے بیش قیمت باتیں رکھی ہیں جو ان کے لیے کارآمد ہیں۔ عظیم اقبال نے اپنے طویل تجربات و مشاہدات کی روشنی میں ’قائدانہ اوصاف‘ بہت ہی آسان زبان میں تحریر کیا ہے اور اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ بآسانی بچوں کے قلب وذہن میں اتر جائیں گی۔ محمد مستمر صاحب کی ’چٹنی‘ بھی اپنا ایک الگ مزہ دے گئی، مسلم نوبل انعام یافتگان۔ معلومات افزا مضمون ہے۔ ’اصلی آدمی‘ ایک منفرد انداز میں بچوں کی شخصیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے اہم باتیں بیان کی ہیں، محترم خیال انصاری تقریباً تین دہائیوں سے ہفت روزہ ’خیر اندیش‘ کے ذریعے ادب اطفال کے باغ کو سینچنے میں لگے ہیں۔ ان کا خوبصورت انٹرویو بھی ایک نعمت ہے جس کے ذریعے انھوں نے اپنے بیش قیمت خیالات پیش کیے تقدیس فاطمہ نے ’پان‘ کے تحت طبی نکات اور پان کی اہمیت و افادیت بیان کی۔ نظمیں بھی خوب ہیں بطور خاص جشن جمہوریہ، سال نو مبارک، اچھی لڑکی، شیر دہاڑا بے حد پسند آئیں۔ مجموعی طور پر اس شمارے میں بچوں کے لیے یہ شمارہ ایک خزانہ ہے۔

اردو زبان وادب کے لیے آپ تمام کی اور کونسل کی خدمات قابل ستائش وقابل مبارکباد ہیں۔

رحیم رضا، بیاول مہاراشٹر

رنگارنگ مشمولات کے ساتھ جنوری کے بچوں کی دنیا کا دیدار ہوا۔ پہلا مضمون قائدانہ اوصاف: شناخت اور فروغ کے تحت مصنف نے ایک واقعہ بیان کرکے بڑی خوبصورتی سے ہمیں قائدانہ وصف پہچاننے اور کوشش کرنے کی ترغیب دی ہے. سچ ہے ایسے مواقع بہتوں کو ملتے ہیں مگر کم ہی ہیں جو ڈٹ کر آگے بڑھتے ہیں۔

’بچوں کی تربیت‘ مضمون بچوں کی دنیا کے مزاج سے

مدرسہ مخزن العلوم، ملہو پورہ، مظفر نگر کے طلبا ماہنامہ بچوں کی دنیا کے ساتھ

میل نہیں کھاتا ایسے مضامین بڑوں کے میگزین میں شائع ہوتے ہیں۔ مسلم نوبل یافتگان معلوماتی مضمون ہے۔ اصلی آدمی نقلی آدمی تحریر پسند آئی۔ 'چٹنی' نے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تو زبان پہ چٹخارا لا دیا۔ بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویو کا سلسلہ عمدہ پیشکش ہے جس سے ہمیں بچوں کے قلمکاروں کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔ کہانی 'کوئی چیز نکمی نہیں' بہت پسند آئی۔ 'جنگل میں منگل' کہانی کمزور لگی۔ مگر 'جنگل کی کہانی' کی پہلی قسط بہت پسند آئی۔ بکری کا بچہ، شیر دہاڑا، اچھی لڑکی وغیرہ نظمیں میری ننھی بھانجیوں نے بہت شوق سے سنیں۔

سحر اسعد، جامعہ رحمانیہ، مدن پورہ، بنارس، یوپی

'بچوں کی دنیا' دسمبر 2023 موصول ہوا۔ اس میں تقریباً دو درجن ادیبوں نے گل ہائے رنگارنگ پیش کر کے اسے ایک خوبصورت تر و تازہ گلدستے کی شکل دے دی اور خوبصورت رنگین تصاویر سے یہ ایک مرقع کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس میں کیا ہی اچھے اچھے مضامین ہیں جیسے مثنوی مولانا روم سے چند قصے۔ نئی دنیا، جھوٹ کا انجام، تاریخی عمارتیں، دلچسپ نظموں اور گیتوں میں دوستی، ایکتا کے گیت، پیاری چڑیاں، رکشا بندھن، سبزیوں کے ذائقے وغیرہ بہت خوب ہیں۔ ان سے قارئین سبق بھی لیتے ہیں، اور محظوظ بھی ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ ماہنامہ قارئین کا دل بہلاتا اور منورنجن کرتا رہتا ہے۔ اسی لیے اسے ہر ماہ بڑے چاؤ سے پڑھنے کے لیے دل بار بار مچلتا رہتا ہے۔

مصطفیٰ ندیم خان غوری، بی 11، گرین ویلی، روضہ باغ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' نومبر 2023 کا شمارہ پہلی بار پڑھا اور یہ رسالہ مجھے بے حد پسند آیا۔ اس رسالے میں اچھی اچھی کہانیاں پڑھنے کو ملتی ہیں اور یہ رنگین ہے اس لیے اس کو پڑھنے میں دل لگتا ہے۔ اس میں ایک نظم پڑھی جس کا عنوان تھا 'بچپن' تو مجھے میرا بچپن یاد آ گیا۔ وہ بچپن جس میں ساری ضد پوری ہوتی ہے، اسکول کے دن بھی بڑے مزے کے ہوتے ہیں۔ ٹیچر بہت پیار کرتی ہیں، کبھی پٹائی بھی لگتی ہے اور شام کو باغ میں جانا وہاں سے پھل توڑ کے کھانا محلے کے بچوں کے ساتھ کھیلنا یہ وہ یادیں ہیں جن کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ بچپن میں اسکول بھی گھر کی طرح ہی لگتا ہے اور ہمارے ماں باپ ہمیں بہت پیار کرتے ہیں، واقعی بچپن ایک انمول تحفہ ہے۔ اس کے علاوہ دوسری نظمیں بھی مجھے اچھی لگیں اور مولانا آزاد کی زندگی پر مبنی کہانی سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات بے حد اہم ہیں، اس رسالے کو اب میں ہر مہینے پڑھوں گی، کیونکہ اس رسالے میں بچوں کی دلچسپی کا سارا مواد موجود ہے۔

عرشی جہاں، انڈیا انٹرنیشنل اسکول، کاندھلہ، ضلع شاملی، یوپی

محمد اسرار

غالب کی ظرافت

بچو! مرزا غالب اردو کے ایک عظیم شاعر تھے۔ان کا مکمل نام مرزا اسداللہ خاں اور تخلص غالب تھا۔ان کی عرفیت مرزا نوشہ تھی۔مغلیہ حکومت کا زمانہ تھا اور آخری تاجدار سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر بادشاہ تھے۔غالب کا تعلق دربار سے ہو گیا۔پہلے تو وہ مشاعرہ پڑھنے یا عید وغیرہ کے موقعوں پر بادشاہ سے ملاقات کے لیے جاتے تھے۔پھر جب استاد ذوق کا انتقال ہوا تو غالب بادشاہ کے استاد مقرر ہوئے۔بادشاہ کی جانب سے انھیں نجم الدولہ، دبیر الملک کا خطاب ملا۔غالب مزاجاً نہایت ہی ظریف تھے۔ان کی ظرافت کی وجہ سے ہی مولانا الطاف حسین حالی نے ان کی سوانح 'یادگار غالب' میں غالب کو حیوان ظریف کہا ہے۔مرزا سے مختلف لطائف اور باتیں منسوب ہیں۔مرزا دوران گفتگو اپنی باتوں سے محفل کو زعفران زار کر دیتے تھے۔

مرزا کے کئی شاگرد تھے۔سبھی شاگرد مرزا کی نہایت عزت اور قدر کیا کرتے تھے۔مرزا بھی ہر طرح سے شاگردوں کو عزیز رکھتے تھے۔ایک مرتبہ ایک شاگرد مرزا کا پیر داب رہے تھے، شاگرد سید زادے تھے، مرزا نے کہا کہ بھائی تو سید زادہ ہے کیوں مجھے گنہگار کرتا ہے۔شاگرد نہیں مانے اور کہا اگر آپ کو اعتراض ہے تو اس کام کے بدلے مجھے اجرت دے دیجیے گا۔جب وہ پیر داب چکے تو مرزا سے کہا لائیے میری اجرت دیجیے۔مرزا نے ہنس کر کہا کیسی اجرت تم نے میرے پیر دابے میں نے تمھاری اجرت دابی حساب برابر۔عید کے موقعے پر بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتے، لوگ نذر پیش کرتے اور بادشاہ انھیں انعام واکرام سے نوازتے۔کسی نے شکایت کی کہ غالب روزے نہیں رکھتے پھر انھیں کس لیے عید پر انعام۔بادشاہ نے دریافت کیا مرزا روزے رکھے۔مرزا نے جواب دیا،''حضور ایک نہیں رکھا۔''

تمام عمر مالی پریشانیوں میں مبتلا رہنے کے باوجود بھی ان کی حس مزاح ہمیشہ قائم رہی۔انھوں نے اپنے مزاج پر مالی حالات یا کسی اور بات کا اثر ہونے ہی نہیں دیا۔بات میں

بات پیدا کرنا اور مسکرانے کا موقع دینا ان کی عادت تھی۔ وہ بڑے ہی رکھ رکھاؤ والے شخص تھے۔ وہ یہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے کسی کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔ ایک سفر کے دوران لوگوں نے ان سے پوچھا حضور یکہ مذکر ہے یا مونث۔ غالب کو خیال ہوا کہ میرے کہنے سے یہ لوگ ناراض ہو سکتے ہیں، انھوں نے پرلطف جواب دیا۔ کہا اگر سواری میں مرد ہوں تو مذکر کہا جائے اور اگر عورتیں ہوں تو پھر مونث کہنا ہی ٹھیک ہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر تمام لوگ ہنس پڑے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ مرزا کسی وجہ سے کچھ عرصہ جیل میں رہے، پولس نے انھیں گرفتار کرلیا تھا۔ وہ جیل سے رہا ہو کر گھر آئے تو لوگوں نے خیر خیریت دریافت کی۔ مرزا کرائے کے مکان میں رہتے تھے، مالک مکان کا نام کالے خاں تھا۔ انگریزوں کی حکومت تھی جو گورے کہلاتے تھے۔ خیریت دریافت کرنے پر مرزا نے کہا کیسی خیریت پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں۔ اسی طرح کی باتیں مرزا کو محفل میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بناتی تھیں۔ وہ برجستہ جواب دینے میں نہایت ہی ماہر تھے۔ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ کیا جواب ملے گا۔ ایک مرتبہ شام کے وقت ان کے ایک دوست ملنے کے لیے گھر آئے۔ واپسی کے وقت کچھ اندھیرا ہو گیا تو مرزا شمع دان لے کر دروازے تک آئے کہ ان کے دوست جوتے پہن لیں۔ دوست کو شرمندگی ہوئی کہ اتنا بڑا شخص شمع دان لے کر آئے۔ ان کے دوست نے کہا حضرت آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود اپنے جوتے پہن لیتا۔ مرزا نے ازراہ مذاق جواب دیا۔ میں شمع دان اس لیے نہیں لایا ہوں کہ آپ اپنے جوتے پہنیں بلکہ اس لیے لایا ہوں کہ آپ کہیں میری جوتیاں نا پہن لیں۔

یہی وہ باتیں تھیں جو مرزا کو پورے دہلی شہر میں مشہور کیے ہوئے تھیں۔ مرزا 27 دسمبر 1797 کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ کم عمر سے ہی دہلی آنے لگے تھے۔ آخر شادی کے بعد مستقل دہلی ہی میں رہنے لگے۔ انھیں دہلی شہر سے قلبی لگاؤ تھا۔ دہلی شہر اور اس کی تہذیب انھیں نہایت عزیز تھی۔ مرزا کا انتقال 15 فروری 1869 کو دہلی میں ہوا۔ حضرت نظام الدین درگاہ کے علاقے میں ان کی قبر ہے۔ ان کی یاد میں 1969 میں غالب اکیڈمی قائم کی گئی۔ اس اکیڈمی کا افتتاح اس وقت کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اکیڈمی کا دفتر غالب کی قبر سے لگا ہوا ہے۔ غالب اکیڈمی نہایت مشہور ادارہ ہے اس اکیڈمی نے غالب کا اردو دیوان عمدہ کاغذ پر خوبصورت چھپائی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ غالب کے اشعار کی دھوم ساری دنیا میں ہے۔ پارلیمنٹ میں بھی کئی مرتبہ ان کے اشعار سنائے گئے۔ خاص بات یہ ہے کہ غالب شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ جو مقام انھیں حاصل ہے وہ ان کی اپنی محنت اور کوشش ہے۔ آج بھی ان کی شاعری پر تحقیقی کام کیا جاتا ہے۔ وہ یقیناً ہندوستان کے لیے ایک قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔ ان کا ایک ہی اردو دیوان ہے جو 'دیوان غالب' کے نام سے آج تک مسلسل شائع ہوتا ہے۔ ملک کے کئی ادارے اس دیوان کو کئی مرتبہ الگ الگ انداز میں شائع کر چکے ہیں۔

آپ کو جب بھی وقت ملے آپ بھی مرزا کے متعلق معلومات حاصل کیجیے۔ مولانا الطاف حسین حالی کی کتاب 'یادگار غالب' اس سلسلے میں مفید ثابت ہوگی۔

■

Mohd Asrar
Asst Prof. Dept of Urdu
Seth Kesarimal Porwal College Kamptee
Distt.: Nagpur- (Maharashtra)
Mob.:9822724276

ہماری زندگی میں پرندوں کی اہمیت

نسیم سعید

اپنے وطن میں بھلے ہی کہیں بھی رہتے ہوں، گھنے جنگل سے لے کر بیابان، ریگستان میں یا پھر گلی کوچوں والے کسی گھنی آبادی کے شہر سے لے کر سرسبز کھیت کھلیانوں والے گاؤں میں۔ امید کرتے ہیں کہ علی الصبح ہماری نیند پرندوں کے چہچہانے سے کھلتی ہوگی جسے ہم سحر خیزی کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ پھر بھلے ہی وہ کوّے کی کائیں کائیں ہو یا پھر کوئل کی سریلی آواز، چڑیوں کے چہچہانے کی میٹھی بولی ہو یا پھر طوطے کی ٹائیں ٹائیں۔ پرندے ہمیں ہر جگہ مل جائیں گے۔ مگر دُنیا بھر میں کچھ ہی ایسے ممالک ہیں، جہاں ہمارے ملک ہندوستان جیسے مختلف انواع واقسام کے پرندوں کی آبادی رہتی ہے۔ ہمارے یہاں ماہرِ طیوریات اور پرندوں کے نگہبانوں نے اب تک پرندوں کی 867 انواع واقسام دیکھنے کی بات کہی ہے۔ اُن میں مقامی پرندے بھی ہیں اور ترکِ وطن یا ہجرت کرنے والے بھی۔

میلوں دور مقامات سے ہجرت کر کے آنے والے پرندوں کا استقبال اور خیر مقدم کیا ہے۔ یہی نہیں تاریخ کے اوراق میں ہمپی کے پاس لکنڈی گاؤں میں ہزاروں سال پرانے چالوکیہ مندر کی باہری دیواروں پر ہجرت کر کے آنے والے پرندوں کی تصاویر نقش کی ہوئی ملتی ہیں۔ جس میں ہنس، سارس اور فلیمنگو تک شامل ہیں۔ شاہانِ مغلیہ بھی پرندوں کے شوقین ودلدادہ تھے۔ جہاں تزکِ بابری، بابر نامہ، تزکِ جہانگیری اور اس عہد میں تحریر کی گئی متعدد کتابوں میں باغیچوں، باغوں، کھیتوں، اشجار اثمار، کھلیانوں اور قدرتی مناظر کی تصویر کشی کی بہتات ہے، وہیں انواع واقسام کے پرندوں کا تذکرہ بھی جا بجا ملتا ہے۔

دیکھا جائے تو ہماری مشترکہ ہندوستانی تہذیب وتمدن اور ورثے میں پرندے بے حد مقبول ہیں اور ہندوستانی تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ یاد دلانے تک کی ضرورت

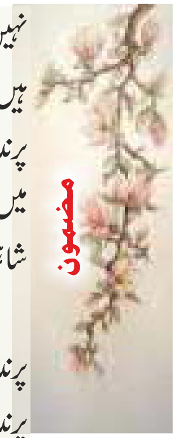

نہیں ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی سواریوں میں کون سے پرندے ہیں یا پھر ہمارے شاہی خاندانوں کی نشانیوں میں کون سے پرندوں کی علامتیں موجود تھیں۔ موسیقی ہو یا پھر آرٹ ہر ایک میں پرندوں کی موجودگی کا احساس خود بخود ہوجاتا ہے۔ عہد شاہجہانی کا مشہور اور قیمتی تخت طاؤس اُس کی عمدہ مثال ہے۔

اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ بچوں کا بچپن بھی پرندوں کی کہانیاں سنتے گزرتا ہے۔ ہر بچے کو بچپن میں سُنائی گئی پرندوں کی کہانیاں آج بھی ازبر ہیں۔ چالاک کوا ہو یا پھر طوطا مینا کی دوستی۔ ادب اطفال تو پرندوں کے ذکر کے بغیر ہی نامکمل ہے۔ بچوں کی نصابی کتابوں کو پرندوں کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ پرندے ادب کی تخلیق کا اہم عنصر رہے ہیں۔ اُردو ادب کی تخلیق میں پرندوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان کی کئی زبانوں میں تخلیق کردہ روایتی کہانیوں میں بھی پرندے موجود ہیں۔ ہماری تاریخ میں تین ہزار سال قبل یجروید میں درج ایشیائی نسل کی کوئل کی عادتوں کا شمار ہے۔ پرندے ہم انسانوں کے سچے دوست ہوتے ہیں، جسمانی طور پر بھی اور تہذیبی اعتبار سے بھی۔

اسٹیٹ آف انڈیا برڈس 2020 کی اطلاع کے مطابق پرندوں کی 867انواع واقسام میں سے 101 کی بہت زیادہ، 319 کی معمولی اور 442 کی کم تحفظ کی ضرورت ہے۔ اُن میں سے 261ایسی انواع و اقسام میں شامل ہیں، جن کی سال 2000 کے بعد سے بہت زیادہ تعداد میں کمی اور کچھ کی تعداد میں کافی کمی واقع ہوئی ہے۔ 146انواع واقسام کے پرندوں کے سالانہ رجحانات سے پتہ چلتا ہے کہ اُن کی موجودہ حالتوں پر فوراً توجہ کی ضرورت ہے۔

ہم میں سے زیادہ تر لوگ صرف چنندہ انواع و اقسام کے بارے میں ہی جانتے ہیں جیسے مور جو کہ ہمارے ملک کا خوبصورت ترین اور قومی پرندہ ہے۔ جس کی افزائش نسل وصحت کافی اچھی ہوتی ہے۔ گورّیا جس کے بارے میں کچھ سال قبل تک ماہرینِ ماحولیات کا کہنا تھا کہ اُن کی نسلیں ختم ہونے کے قریب ہیں۔ اسی طرح ہجرت کرنے والے پرندے جیسے Golden Plovers (لمبی ٹانگوں والا سنہری پرندہ)، شکاری پرندہ جیسے گدھ اور مخصوص مسکن والے پرندے جیسے Forest Wagtail (ایک قسم کی جنگلی چڑیا) کافی خطرے میں ہیں۔

پرندے ہمارے ماحولیاتی نظام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ دوسرے انواع واقسام کے جانداروں کی تعداد کو شمار کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ یہ بیجوں کو منتشر کرنے والے، گندگی لے جانے والے (فضلہ یافتہ) اور دوسرے جانداروں کے لیے غذا فراہم کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ پرندے ہماری مقامی معیشت کا حصہ بھی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ کئی لوگ اُسے دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ آج ہمارے ملک میں ماہرِ طیوریات کی تعداد میں اضافہ ہونے سے ماحولیاتی سیاحت کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے۔ دراصل یہی پرندے قدرتی مناظر اور دلکش و دلفریب ماحول سازی کے ضامن ہوتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ انسانی صحت بھی پرندوں کی موجودگی سے مربوط ہے۔ ان کی تعداد میں کمی خطرے کی نشانی ہے۔ انگریزی کا ایک علامتی تخیلی فقرہ 'Canary in the coal mine' ہے یعنی کوئلے کی کھدان میں کیناری چڑیا۔ قدیم زمانے میں کوئلہ کھدانوں میں جاتے وقت مزدور پنجرے میں کیناری چڑیا اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اگر کھدان میں میتھین یا کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی سطح زیادہ ہے تو انسانوں کے لیے وہ گیس خطرناک سطح پر پہنچے، اُس سے قبل ہی کیناری چڑیا مرجاتی تھی۔ اس طرح مزدور کھدان سے بحفاظت باہر

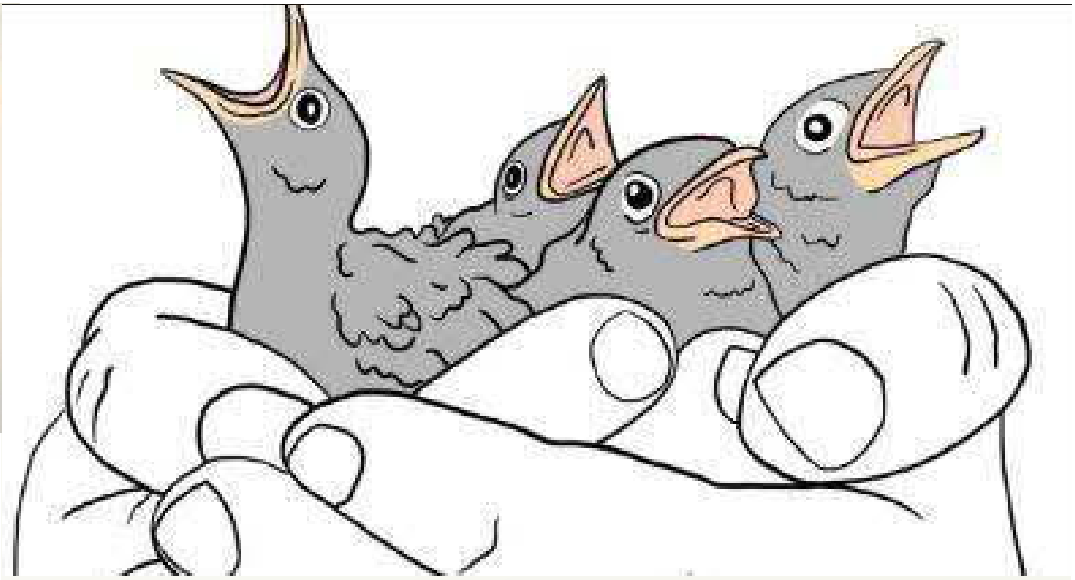

نکل جاتے تھے۔

اپنے پرندوں کو بچانے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم انھیں دیکھیں، سمجھیں اور اُن کی حفاظت کریں۔ ان کی طرز زندگی کا بخوبی مطالعہ کریں۔ اپنے باغیچوں، گھروں کے صحنوں اور بالکنیوں کا ایک حصہ ان کے لیے وقف کردیں کہ وہاں آکر پرندے اپنے گھونسلوں اور آشیانوں کی تعمیر کرسکیں۔ ہمارے آس پاس بلبل اور مینا کے کئی خاندان پرورش پارہے ہوتے ہیں۔ اس لیے کوشش کریں کہ اپنے آشیانوں کے اطراف ان کے لیے پھلوں اور پھولوں والے پودے لگائیں۔ باغیچوں کے الگ الگ گوشوں میں پرندوں کے لیے پانی مختلف اونچائی پر رکھیں تاکہ چھوٹے بڑے ہر طرح کے پرندے اُس سے اپنی پیاس بجھا سکیں۔

ہندوستان میں آج کئی قبیلوں اور فرقوں کے لوگ پرندوں کے تحفظ کے لیے کافی کوشش کررہے ہیں۔ کئی بار اپنی گزر بسر کی قیمت پر بھی وہ ایسا کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ کرناٹک کے کوکرے بیلور میں گاؤں والوں اور Peted Stork (سارس کی طرح کا آبی پرندہ)، Spot-billed Pelican (ماہی خور آبی پرندہ) کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔ ناگا لینڈ کے پانگتی میں گاؤں والوں نے گذشتہ دنوں Amur Falcon (باز اور شاہین کی طرح کا پرندہ) کو نہ مارنے کی قسم کھائی ہے۔ دراصل یہ پرندے بڑی تعداد میں اُس علاقے سے گزرتے ہیں۔

ملک کی عدالتِ عالیہ نے بھی پہل کرتے ہوئے راجستھان کی ریاستی حکومت کو معدوم اور فنا ہوتے سارنگ پرندے کو بچانے کی ہدایت دی ہے۔ 'مور' کو قومی پرندہ منتخب کرتے وقت سارنگ نامی پرندہ بھی اُس دوڑ میں شامل تھا۔ تاریخ کے اوراق میں ایسی مثالیں ہر طرف بکھری پڑی ہیں۔ پرندے ہماری آنکھوں کو خوبصورتی سے بھر دیتے ہیں اور کانوں کو چہچہاہٹ سے۔ وہ ہمارے دلوں کو امن اور سکون فراہم کرتے ہیں۔ اب ہمیں بطور معاشرہ یہ سوچنا ہوگا کہ ہندوستان کے پرندوں کی بے مثال تنوع کو صحت مند رکھنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ اُن کی بقا کے لیے بھی اور خود کی صحت کے لیے بھی۔

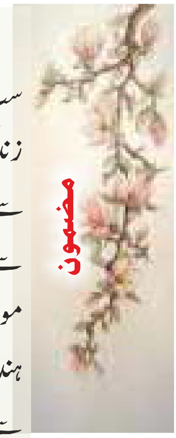

آج آلودگی ہجرت کرنے والے پرندوں کی موت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ جو پرندے ہزاروں کلومیٹر دور سے زندگی کی امید کے ساتھ پرواز کرتے نہیں تھکتے۔ وہ پشتوں سے آسرا رہی جھیل میں آکر دو دن بھی نہیں جی پائے۔ ہندوستان سے کئی ہزار کلومیٹر دور ان کے اصل مسکن کو جیسے ہی برف کی موٹی چادریں ڈھانک دیتی ہیں، ہر سال کی طرح وہ پرندے ہندوستان کا رُخ کرتے ہیں۔ لیکن جس نمکین پانی کی جھیل سے انھیں زندگی کی آس ملتی ہے وہاں آنے پر ان کی لاشیں بچھنے لگتی ہیں۔ ملک کی سب سے بڑی کہی جانے والی کھارے پانی کی راجستھان کی سانبھر جھیل میں اب تک پچیس ہزار سے زیادہ ہجرت کرنے والے پرندے کی موت ہو چکی ہے۔ شروعات میں تو پرندوں کی موت پر توجہ نہیں دی گئی۔ مگر دور دراز سے آئے پرندوں کے ماہرین نے یہ انکشاف کیا کہ ہزاروں کلومیٹر کی پروازیں طے کر کے آئے ان مہمان پرندوں کی جان کے دشمن ان کے قدرتی مسکن میں لگاتار ہو رہی چھیڑ چھاڑ اور آب وہوا میں تبدیلی کا اثر ہے۔ فضائی آلودگی اور گھروں سے نکلنے والے گندے پانی کا سانبھر جھیل میں اخراج ان کی موت کا سبب ہے۔ ماحولیات کے تئیں بے حد حساس پرندوں کی اموات کے لیے ان کے قدرتی مسکن میں ضرورت سے زیادہ انسانی دخل، آلودگی اور خوراک کی کمی جیسے اسباب شامل ہیں۔ سند رہے کہ ہمارے یہاں سال در سال ہجرت کرنے والے پرندوں کی تعداد میں کمی ہوتی جا رہی ہے۔ قدرتی توازن اور گردش حیات میں ہجرت کرنے والے پرندوں کا خاص کردار ہوتا ہے۔ اُن کا اس طرح سے مارا جانا ہماری بد نیتی اور بدبختی کو ظاہر کرتا ہے۔

مگر کورونا وائرس کی وجہ سے عالمی تالا بندی نے ایک بار چڑیوں کی چہچہاہٹ میں ضرور اضافہ کیا ہے۔ شہروں میں ایک بار پھر بہت کم دکھائی دینے والے پرندے آسانی سے نظر آ رہے ہیں۔ شہروں کی زندگی رُک جانے پر جنگلوں میں چڑیوں کی چہچہاہٹ میں اضافہ ہوا ہے۔ کئی ایسے پرندے بآسانی نظر آنے لگے ہیں جنھیں دیکھنے کے لیے ہریالی کے درمیان جانا پڑتا تھا۔ ان میں Brown rock chat، Coppersmith barbet، Magpie-robin (یوروپی پرندہ)، Indian robin (ہندوستانی چڑیا جس کا سینہ سرخ ہوتا ہے)، House Sparrow (گھریلو چڑیا)، Rozi Starling (روزی ستارہ مارنے والا پرندہ) Red whiskered bulbul (سرخ سر گوشی بلبل) Red-Vented bulbul (لال شکاری بلبل) وغیرہ شامل ہیں۔

ماہ نومبر میں ناگپور کے تالابوں پر پہنچے Red-crested Pochard، Lesser whistling duck، Bar-headed geese، Ruddy shelduck، Northern pintail، Northern Shoveler، Tufted duck، Common Pochard، Garganey (ایک چھوٹی بطخ جس کے نر کی آنکھوں سے گلے تک سفید پٹیاں ہوتی ہیں)، Eurasian wigeon (یوریشیائی جنگلی بط)، Gadwall (بربطخ) جیسے غیر ملکی پرندے مارچ کی شروعات میں ہی اپنے وطن لوٹ جاتے ہیں۔ لیکن تالا بندی اور اس کے بعد اُن کی مہمان نوازی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ پرندے ماہ اپریل میں بھی ناگپور میں ہی ٹھہرے ہوئے ملتے ہیں۔

■

Naseem Sayeed
M M Rabbani High School
Kamptee- 441001 (Maharashtra)
Mob.: 7798274366

ارشد میناںگری

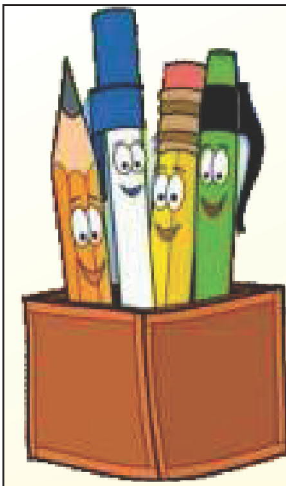

قلم

تحریر و تقریر قلم — ہستی کی تفسیر قلم
ظلمت میں تنویر قلم — خوابوں کی تعبیر قلم

ظالم سے ہرگز نہ ڈرے — بولے ہردم بولے کھرے
شیطاں کی تذلیل کرے — انساں کی توقیر قلم

ساحل دے طغیانی میں — آسانی حیرانی میں
آگ لگا دے پانی میں — رکھے ہر تدبیر قلم

ہوا نہ ہوگا یہ ناکام — آغاز اِس کا ہے انجام
کردیتا ہے کام تمام — ایسا ہے شمشیر قلم

امن کا پرچم لہرائے — اَبر میں بجلی بن جائے
دشمن پر غالب آئے — ارشد عالم گیر قلم

■

Arshad Meena Nagri
Sr. No. 19, House No.: 51, Mominpura
Malegaon
District Nashik - 423203 (Maharashtra)
Mob.: 9270845009

شیدا بگھونوی

ممی

ممی میری پیاری ممی
سارے جگ سے نیاری ممی

میرے لیے دکھ درد اٹھائے
ہنس ہنس کر بچاری ممی

میرے لیے ابو بھی بولے
قسمت کی ہے ماری ممی

مجھ کو اپنی پیٹھ پہ لے کر
بن جاتی ہے گاڑی ممی

ابھی تو پیسہ نہیں ہے بیٹی
کرتی یہ ہوشیاری ممی

میری ضد کے آگے دیکھو
کیسے سب کچھ ہاری ممی

میرے یہاں ہاسٹل میں ہے
ایک عدد سرکاری ممی

■

Shaida Baghaunvi
Shahpur Baghauni
Via: Vaini
Samastipur - 848131
Mob.: 9955208365

شکیل انجم

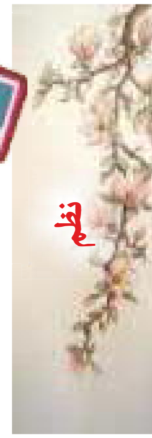

موبائل

موبائل جو ہاتھوں میں آیا میاں!
کتابیں، رسالے چھڑایا میاں!

نہیں ساتھ رہ کر بھی ہم ساتھ ساتھ
موبائل پہ ہیں سارے دن ہو کہ رات

کوئی کال کرتا ہے چیٹنگ کوئی
کوئی شوٹ کرتا ہے گیمنگ کوئی

اگر حادثہ ہوگیا ہے کدھر
تو پل بھر میں ہوتی ہے سب کو خبر

ہے اس میں سنیما بھی گھڑیال بھی
سنو اس میں میوزک کرو کال بھی

جواں ہی نہیں بوڑھے بچے سبھی
کسی کے نہ شیدا ہوئے تھے کبھی

ہمارے لیے یارو! رحمت بھی ہے
مگر یہ نہ بھولو یہ زحمت بھی ہے

بہت فائدے ہیں تو نقصان بھی
یہ مشکل بھی ہے اور آسان بھی

اگر خوب مصروف رہتے ہیں ہم
کھلونوں سا بچوں کو دیتے ہیں ہم

لو بچے ہوئے اس کے عادی اگر
اسے چھین لیتے ہیں آتے ہی گھر

پڑھائی بھی کرتے ہیں اس پر کئی
کبھی کام لیتے ہیں بہتر کئی

جنھیں واٹس اپ کا مرض ہے لگا
موبائل تو ان کے لیے ہے سگا

ہیں ان کو تو دن رات بھی ایک سے
ہوئے سب کے حالات بھی ایک سے

یہ اچھوں کی خاطر ہے اچھا بہت
موبائل سے کھاتے ہیں دھوکا بہت

چلو آج یہ عہد کرلو سبھی
غلط یوز ہرگز نہ ہوگا کبھی

■

Shakeel Anjum Meenanagri
Gate No.: 418, Plot No.: 38
Usmania Park, Shiva Ji Nagar
Jalgaon- 425001 (Maharashtra)
Mob.: 9403247851

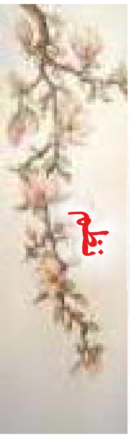

چاند

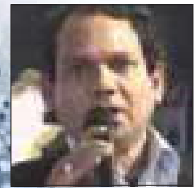

منور داناپوری

آگے بھی اس جہان سے عالم ہزاروں ہیں
خود میں ہے انقلاب لیے اس صدی کا چاند

یکساں ہے سب کا چاند بدلتا نہیں ہے رخ
تم جا کے دیکھ لو زحل و مشتری کا چاند

ہیں بے شمار چاند ابھی آسمان میں
بے نور ایک بھی نہیں ان میں کسی کا چاند

ہوگا اک ایک چاند پہ انسان کا قدم
ہے مرکز نگہ زحل و مشتری کا چاند

سبزہ ہے، آبشار ہے، دریا ہے چاند پر
تسخیر سب کرے گا بشر اس صدی کا چاند

دنیائے آسماں پہ منور جو چاند ہے
شاید ترے لیے ہے یہی رہبری کا چاند

■

Syed Monawwer Hussain Rizvi
Mohalla Shahtoli, P.O: Danapur, Cantt
Distt.: Patna - 801503 (Bihar)
Mob.: 8789946411

نظم

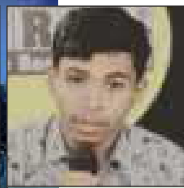

محمد مصطفی

میرا کوئی نہیں

مسجد سے نکلتے ہوئے ایک شخص نے دیکھا
بیٹھا تھا ایک فقیر اداسی لیے ہوئے
اس شخص نے پھر جیب سے بٹوا نکال کر
جو کچھ تھا اس فقیر کی جھولی میں ڈال کر
پلٹا تو اس فقیر نے آواز لگائی
ہاتھوں کے اشارے سے اسے پاس بلا کر
کہنے لگا اے شخص تیرے پاس کیا بچا
اس شخص نے کہا کہ بچا کچھ بھی نہیں ہے
گر ہو بھی تو میں خرچ بھلا کس پہ کروں گا
اک رب کے سوا میرا یہاں کوئی نہیں ہے
یہ سن کے اس فقیر نے اس شخص سے کہا
جس کا کوئی نہیں ہے اسے رب تو مل گیا
رب جس کو مل گیا ہے اسے سب تو مل گیا

■

Mohd Mustafa
Qila, Gali No.: 3, Ghar No,: 417
Nabi Jan, Miyan Chowk
Malegaon- 423203 (Maharashtra)

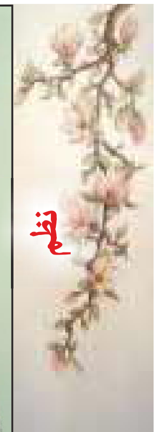

ناصرالدین قمرالدین ناصر

جگنو اور انسان

اونچی اڑان اس کی
ظلمت میں شان اس کی
رستہ دکھائے پھر بھی
چھوٹی سی جان اس کی
پر حوصلہ ہے اعلیٰ
الفت اذان اس کی
جگنو وہ ٹمٹمائے
راتوں میں آن اس کی
انساں کو سکھائے
کیا ہے زباں اس کی
روشن ہے شان اس کی
وہ بھی خدا کا مظہر
لیکن ہے ہم سے بہتر
پر نور زندگی ہے
کافور تیرگی ہے

■

Dr. Nasiruddin Qamruddin
Urdu Girls High School
& Science Junior College, Malkapur
Distt. : Buldhana (Maharashtra)
Mob.: 9860170513

سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ اخلاقی تربیت پر زور بہت ضروری ہے: متین الدین

س: بچپن کی کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: بچپن تو ہر کسی کا شوخیوں اور شرارتوں سے ہی بھرا ہوتا ہے، وہ بچپن ولڑکپن ہی کیا جس میں شوخیاں اور شرارتیں نہ ہوں، چونکہ میں ایک تربیت یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور کچھ فطرتاً مزاج بھی ایسا تھا کہ میں بے ہودہ، فحش، بدتمیزی اور شراتوں کو پسند نہیں کرتا تھا اور میری شوخی تو مکتب میں پٹتے ہوئے بچوں کو دیکھ کر کافور ہوگئی تھی۔ جب استاد محترم بچے کی پٹائی تھپڑ، گھونسے اور بانس کی کمچی سے کرتے تھے تو بچے تو دوسرے پٹتے تھے، جسم میرا کانپتا تھا، پٹنے کے خوف سے جب بچے مکتب آنے سے ناغہ کرتے تھے تو ماں باپ بچے کو مارتے ہوئے لاتے تھے اور بڑے فخریہ انداز میں کہتے تھے کہ مانس مانس تو آپ کا اور ہڈیاں ہڈیاں میری۔ بس آپ تو اسے کسی طرح پڑھا دیجیے۔ ماں باپ کی بچے سے یہ بے رخی اور استاد محترم کی شعلہ نظری نے میرے اندر ایسا خوف بھر دیا کہ اس کیفیت کو یاد کرتے ہوئے میں آج بھی سہم سا جاتا ہوں۔ مکتب میں کئی مہینہ پڑھنے کے بعد بھی ایک حرف کی شناخت نہ ہوسکی۔ سارا دن سبق کا رٹا مار کر جب بھی استاد محترم کی میز پر جاتا تو بالکل اسی کیفیت سے گزرتا جو کیفیت عامر خان نے اپنی فلم 'تارے زمین پر' استاد محترم کے سامنے ایک بچے کی کیفیت کو شو کیا ہے کہ بچے کو سب یاد ہوتے ہوئے بھی استاد محترم کے خوف سے حرف ہی الٹے چمکنے لگتے تھے۔

متین الدین

چار مہینے بیت جانے کے بعد جب میرے والد محترم نے میری پڑھائی کا جائزہ لیا تو مجھے کچھ بھی یاد نہ تھا۔ میں والد محترم کی صلاحیت کو داد دیتا ہوں کہ وہ میری نفسیات کو فوراً سمجھ گئے اور ان کی یہ صلاحیت کی علامت میرے لیے کامیاب ثابت ہوئی۔ والد محترم نے اب میرا داخلہ ایسے نچلے درجے کے مکتب میں کرادیا جہاں ایک استاد کم ازکم سو بچوں کو پڑھاتا تھا۔ حفظ والے بچوں کو تو استاد محترم خود پڑھاتے تھے اور ناظرہ خواں کچھ حفظ والے بچے پڑھاتے تھے اور ناظرہ خواں ابتدائی بچوں کو پڑھاتے تھے۔ نہ کوئی خوف تھا نہ ڈر سارے بچے کھیل میں بھی مست رہتے تھے اور پڑھنے میں بھی مست رہتے تھے۔ اگر زیادہ شور شرابہ بچے کرتے تھے تو استاد محترم اپنی تپائی پر ہی کمچی بجا کر بچوں کو خاموش کردیا کرتے تھے۔ اس بے خوفی کے عالم میں میری بھی علمی طلب جاگ اٹھی اور پندرہ دن کے اندر ہی میں نے بتدائی عربی کا قاعدہ پڑھ کر پورا ختم کرلیا اور ایک مہینے میں عربی کا سپارہ عم پڑھ کر مکمل کرلیا، اس خوشی میں گھر کی طرف سے بچوں کو مٹھائی بھی

تقسیم کی گئی۔ میرے پڑھنے میں ذہن ہونے کے باوجود والد محترم نے میرا داخلہ پھر اسی ادارے میں کرادیا جہاں سے مجھے اٹھایا تھا کیونکہ اس ادارے کا معیار بلند تھا۔ اب مجھے یہاں کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اب میرا علمی شوق پڑوان چڑھ چکا تھا۔

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: بچپن میں مجھے علامہ اقبال کی نظم جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں۔ یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں۔ اسمٰعیل میرٹھی کی نظم 'رب کا شکر ادا کر بھائی'، 'بارش کا پہلا قطرہ' مجھے بہت پسند تھیں، دعائیہ ترانہ 'لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری' تو روزانہ بچوں کو صبح میں خود ہی کہلواتا تھا۔ آج بھی میں علامہ اقبال کی فکر اور خیال کو ہی پسند کرتا ہوں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا؟

ج: درسی کتاب بیسک ریڈر جس میں کولمبس اور واسکوڈی گاما کے بحری راستے سے امریکہ اور ہندوستان کی کھوج نے مجھے بہت متاثر کیا کہ اگر حوصلہ اور لگن ہو تو دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔

س: بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: میرے بچپن میں بچوں کا کوئی رسالہ ہی دستیاب نہیں تھا، البتہ کورس میں ایک ابر رحمت کی کتاب لگی ہوئی تھی جس میں اسلامی واقعات میں بہت ہی دلچسپی سے پڑھتا تھا۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: بچوں کی تعلیمی درسی کتاب بچوں کی ذہنی وفکری نشو ونما کے لیے ہی تیار کی جاتی ہیں۔ معلومات عامہ، ہماری دنیا، ہمارا سماج، سائنس، آؤ تجربہ کر کے سیکھیں، سائنٹسٹ کی کہانیاں، فلسفی اور ادیبوں کی سوانح حیات یہ سب ہماری درسی کتابوں میں موجود ہیں جو بچوں کی ذہنی، فکری نشو ونما کو بڑھاتی ہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ ہمارے یہاں بچے کو پڑھایا جاتا ہے، سکھایا نہیں جاتا۔ جو بچہ پریکٹیکل کے تجربے سے سیکھ سکتا ہے وہ پڑھنے سے اتنا نہیں سیکھ سکتا۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟

ج: بچوں کی زبان و بیان، ان کی فطری صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لیے کتابوں کے ساتھ ساتھ مکالمہ آرائی، علمی مقابلے کے ذریعے سے بچوں کی رہنمائی کی جاسکتی ہے تاکہ بچوں کی جھجک دور ہو اور ان کے اندر کی صلاحیت ابھر کر سامنے آئے۔

س: مستقبل اور اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: بچوں کے کیریئر اور مستقبل کو سنوانے کے لیے درسی ابتدائی کتابیں بچوں کی نفسیات کو دھیان میں رکھتے ہوئے ڈیزائن کی جاتی ہیں جس میں بچوں کے مستقبل میں کام آنے والے سارے ہی موضوعات زیر بحث لائے جاتے ہیں جس سے بچہ اپنی دلچسپی اور چھپی صلاحیت کو اجاگر کر کے اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے آگے بڑھ سکتا ہے۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میری پیدائش ایک میڈیم زمین دار گھرانے میں 27 رجب المرجب 1961 کو قصبہ عمری کلاں ضلع مراد آباد اتر پردیش میں ہوئی تھی۔ رجب المرجب کی مناسبت سے میرا نام محمد رجب علی بھی ہے۔ والد محترم کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہوگیا تھا جس کا سب سے زیادہ اثر میری تعلیم پر پڑا، والد محترم کے انتقال ہوتے ہی عزیز واقارب نے زمین، جائیداد کے جھگڑے شروع کردیے جس کی وجہ سے کم سنی میں ہی میں

نفسیاتی مریض بن گیا، جس کی وجہ سے میٹرک تک پہنچ کر میرا تعلیمی سلسلہ بھی رک گیا۔ کئی پشتوں سے ایک فرد پر خاندانی وراثت چلی آ رہی تھی اسے لیے پریشانیوں کے باوجود تعلیم کو جاری رکھا۔ اس موقعے پر مجھے ان رہنماؤں کی سوانح حیات نے کافی حوصلہ بخشا جنھوں نے اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے کئی طرح کی پریشانیاں جھیلیں۔ تعلیم چونکہ میرے گھر کا چراغ تھا، وراثت تھی اس لیے میں نے بھی اپنی علمی صلاحیت کو آگے بڑھایا۔ جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔ کئی برسوں کے بعد یہ سوچ کر کہ میری تعلیم سے میرے بچوں پر منفی اثرات نہ پڑھیں، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد سے پچپن برس کی عمر میں اسلامک اسٹڈیز میں ایم اے کی ڈگری بھی حاصل کی۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: لکھنے کا سلسلہ تو میرا بہت پہلے سے تھا۔ ایک دن میں اردو کی ہمدردی کے تعلق سے اپنا ایک مضمون 'اردو کی فریاد' جس میں اردو کی زبوں حالی اور اس کے فروغ کے لیے کچھ مشورے دیے تھے ماہنامہ 'خاتون مشرق' میں شائع ہوا تو پڑھنے والوں کے فون نے میری ہمدردی میں مزید اضافہ کر دیا۔ چونکہ ہر زبان کے فروغ کی پہلی اکائی بچے ہی ہوتے ہیں اس لیے میں بچوں کے لیے بھی آسان الفاظ میں لکھنے لگا۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: میری پہلی تخلیق ماہنامہ 'خاتون مشرق' رسالے میں 'اردو کی فریاد' کے نام سے شائع ہوئی؟

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: میری تخلیق کا مرکزی موضوع موجودہ دور میں معاشرے میں پھیلی ہوئی برائی کے برعکس قلم اٹھانا ہے تا کہ معاشرے میں امن، سلامتی اور بھائی چارہ قائم ہو سکے۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: مصنف کا ذہن ریسرچی ہی ہوتا ہے۔ معاشرے میں لوگوں کے ذہن اور نفسیات کو پڑھ کر ہی اس کے اندر خیال پیدا ہوتے ہیں۔ جب وہ خیال پروان چڑھتے ہیں تو مصنف بے چین ہو جاتا ہے۔ اپنے اندر کے خیال کو قلم کی نوک پر لانے کے لیے، اسی لیے میں بھی باریک بینی سے بچوں کے ذہن اور ان کی نفسیات کا مطالعہ کرتا ہوں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: بچوں کا ادب لکھنے کے لیے جو مشکل پیش آتی ہے وہ لکھنے کا انداز ہے کہ میں کس طرح اپنی تخلیق کو اس قابل بنا سکوں کہ وہ بچوں کے پڑھنے کے لیے دلچسپی کا باعث بنے۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: اس نکتے کو میں نے کبھی محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی، البتہ علمی وادبی حلقوں کے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے ضرور سنا ہے کہ آپ کے اندر کا سویا مصنف بہت دیر سے جاگا ہے۔ اب وہ میری تعریف کر رہے ہیں یا میرا مذاق اڑا رہے ہیں، اس کا مجھے علم نہیں!

س: کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: بالکل پڑھتا ہوں، میں نے تو بچپن میں پڑھی ہوئی درسی کتابیں دستیاب کر کے پھر سے ان کا مطالعہ کیا ہے۔ ابتدائی کتابوں میں جو بچوں کے لیے معلومات ہوتی ہیں وہ بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟

ج: کسی بھی زبان کا رسالہ اگر بچوں کی دسترس میں ہو اور زبان پر پکڑ رکھتے ہوں تو ہر ادبی تہذیبی رسالے میں کچھ نہ کچھ خاص موضوع ضرور چھپا ہوتا ہے جس سے بچے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

س: اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: کسی بھی زبان کے رسالے کا دوسری زبان کے رسالے سے مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس زبان کے زیادہ سے زیادہ قاری موجود ہوں، کسی بھی زبان کے جب زیادہ قاری ہوں گے تو رسالے بھی زیادہ شائع ہوں گے۔ ایسے میں تخلیق کار کی قدر ہوگی اور جب تخلیق کی قدر ہوگی تو اچھی اور معتبر تخلیق وجود میں آئے گی، لیکن افسوس اردو زبان کے قاری بھی کم ہو رہے ہیں اور رسالے بھی آئے دن کم ہوتے جا رہے ہیں، دعا گو ہوں کہ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اور ماہنامہ 'امنگ' کہ وہ اپنے معیار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: اس موضوع پر بہت کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے، کاغذ کو سیاہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تخلیقی مواد بچوں کی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے آسان زبان میں ایسا ہونا چاہیے، جو بچوں کی فکری صلاحیت میں ہلچل پیدا کردے۔

س: معاصر ادبِ اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: میں اپنے ہمعصر ادیب اطفال سے یہ کہنا چاہوں گا کہ وہ اپنی تخلیق، نظم و نثر میں ایسی آسانیاں پیدا کریں کہ زیادہ سے زیادہ بچے فائدہ اٹھا سکیں۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: میرے حساب سے سائنس، ٹیکنالوجی کے ساتھ اخلاقی تربیت پر زور بہت ضروری ہے۔ اگر بچہ ہر شعبے میں ماہر ہونے کے بعد اخلاقی تربیت سے کورے ہیں تو معاشرے کے لیے وہ مضر ثابت ہوں گے۔

س: بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے؟

ج: میں ایک مشورہ دینا چاہوں گا کہ ماں باپ ہوں یا استاد بچوں سے دوستی کا رویہ قائم کریں نہ کہ کنٹرولر کا۔ سیکھنے کا جذبہ تو بچے کے اندر پیدائشی ہوتا ہے، ماں باپ نے محسوس کیا ہوگا کہ بچہ اپنے نام کو ایک دو بار سن کر ہی محسوس کر لیتا ہے کہ میرا یہ نام ہے۔ استاد اور ماں باپ کا زیادہ سختی کا خوف بچے کے اندر سے علمی طلب کو غائب کر دیتا ہے۔ لہٰذا دوستی کا رویہ قائم کر کے بچے کی فطری صلاحیتوں کو چمکائیں۔

س: ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: اس میں اصلاح ہوتی رہنی چاہیے تاکہ رسالہ ہر بدلتے حالات کا مقابلہ کر سکے۔ رسالے میں نئے قلمکاروں، عمدہ تخلیق کی اشاعت میں ہر اسٹیٹ کی نمائندگی قابل ستائش ہے۔ اخلاقی تربیتی مضامین، عمدہ نظمیں، کہانیاں، سائنسی معلومات سے رسالہ بچوں کی ذہن سازی میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔

س: بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام۔

ج: میں بچوں کو یہ پیغام دینا چاہوں گا کہ وقت کی قدر کریں، ماں باپ، استاد کا احترام کریں کیونکہ یہ آپ کے علم کی چابی ہیں، ماں باپ اور استاد کو بھی چاہیے کہ وہ بچوں سے دوستانہ رویہ قائم کریں۔ یہ دوستانہ جوڑی دنیا کے ہر محاذ کو فتح کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

■

Matinuddin
Town & Post: Umri Kalan
Distt.: Moradabad - 244501
Mob.: 9690287383

ڈراما

انیس اعظمی

کلو میاں اور ٹائیگر

راوی: پرانی بستی میں یوں تو کئی رکشے والے آباد تھے، لیکن ان سب میں کلو اپنی کئی اچھی عادتوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ بڑے اسے کلو کہہ کر پکارا کرتے اور چھوٹے کلو میاں کہا کرتے۔ کلو دل اور زبان دونوں کا بھلا انسان تھا۔ محلے کی عورتیں اور بچے اس کے رکشے سے اتر کر جو رقم اس کی ہتھیلی پر رکھ دیتے کلو اسی کو اپنی حلال کمائی مان لیتا۔

ایک اندھیری رات اسے چوک کے پاس ایک بہت چھوٹا پلّا زور زور سے روتا بلکتا نظر آیا۔ کلو اسے اپنے رکشے میں ڈال کر ساتھ لے آیا۔ پلا زخمی تھا اور بہت ڈرا ہوا تھا۔ کلو نے پلے کو اپنے بستر کے گودڑ میں چھپا دیا تا کہ گرمائی سے اسے کچھ آرام مل جائے، لیکن درد کی وجہ سے پلا چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

رات کافی ہو چکی تھی۔

کلو کو خیال آیا کہ محلے کے پنساری اور ڈاکٹر، بھائی شرفو سے پلے کے لیے دوائی لے لی جائے۔ کلو نے روتے، سسکتے بلکتے پلے کو بغل میں دبایا اور شرفو پنساری کے دروازے کا کنڈا کھٹکھٹایا اور آواز لگائی۔

کلو: (اونچی آواز میں) شرفو بھائی، بھائی شرفو۔

(اندر سے آواز آتی ہے)

آواز: کون ہے بھائی... کیا بات ہے؟

کلو: ہم ہیں بھائی ... ہم کلو رکشے والے۔ ذرا جلدی سے باہر آؤ بھائی، ہمارے ساتھ ایک زخمی مریض بھی ہے، جلدی باہر آؤ بھائی۔

آواز: ٹھیک ہے آتا ہوں۔

(دروازہ کھلتا ہے، ڈاکٹر شرفو (پنساری) لنگی، بنیان میں آنکھیں ملتے ہوئے مریض کو تلاش کرتا ہے)

شرفو بھائی: اے مریض کہاں ہے؟

کلو: اسے دیکھیے نا ہماری گود میں آپ کو کا ہے دکھائی نہیں دے رہا ہے؟

شرفو بھائی: (پلے کو دیکھ کر) کیا مطلب، اے ہم آدمی کی دوائی دیتے ہیں یا کتا بلی کی؟

کلو: شرفو بھائی جس اللہ نے ہم کو تم کو بنایا ہے اسی نے اس معصوم کو بھی زندگی دی ہے۔ ہم بہت امید سے آئے ہیں، ہم کو دوائی دے دو، یہ جانے کب سے روئے جار ہا ہے؟

شرفو بھائی: پھر وہی بات، کیا ہم جانوروں کے ڈاکٹر ہیں؟

کلو: دیکھو تم کو قسم ہے جو تم نے دوائی لانے میں دیر لگائی۔ یہ بیچارہ درد سے تڑپ رہا ہے، بلک رہا ہے۔ اسے کوئی ٹنچر ونچر لگا دو اور دوائی دے دو۔

شرفو بھائی: تم بھی کلو عجب آدمی ہو، ایک تو ہماری نیند خراب کی وہ بھی پلے کے لیے۔

(شرفو جھک کر پلے کو غور سے دیکھتا ہے، اس کے زخم کو بھی دیکھتا ہے اور پھر دوا لینے گھر کے اندر چلا جاتا ہے۔ کلو پلے کو پیار سے سہلاتے ہوئے)

کلو: دیکھا تم نے، ہماری پرانی بستی میں دوا دارو کے نام پر لے دے کر یہی شرفو بھائی ہیں جو اصل میں پنساری ہیں، اچھے برے ٹیم پر سب کے کام آجاتے ہیں۔ ان کی دوائی کا جادو دیکھنا ابھی تم کو آرام آجائے گا۔

(تبھی ہاتھ میں دو چھوٹی شیشیاں لیے شرفو باہر آتا ہے)

شرفو بھائی: یہ والی دوائی ہر آدھے آدھے گھنٹے پر اس کے منہ میں ٹپکانی ہے تین تین بوند اور یہ لال رنگ کا ٹنچر روئی میں لگا کر اس کی چوٹ پر صبح شام لگا دینا۔ ایک دو دن میں اللہ نے چاہا تو زخم ٹھیک ہو جائے گا۔

کلو: (خوش ہوتے ہوئے) اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا

(شرفو اپنے گھر کی طرف مڑتا ہے اور کلو اپنے گھر کی طرف)

راوی: کلو نے زخمی پلے کی تیمارداری کچھ اس طرح سے کی کہ دو دنوں یک رکشے کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ کبھی تین بوند دوائی اسے منہ میں ٹپکائی، کبھی ٹنچر لگایا کبھی دودھ پلایا۔ اگلے روز پلے کو دودھ پلانے کے لیے نپل والی شیشی شرفو پنساری کی دوکان سے خرید لایا۔

دو دن کے اندر ہی شرفو بھائی کی دوائی کام کر گئی اور پلا بھلا چنگا ہو گیا۔ وہ رات میں کلو کے گودڑ میں گھس کر بے فکری سے سونے لگا اور صبح اٹھ کر کلو کے ہاتھ پیروں کو چاٹنے لگا۔ دونوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہو گیا۔

(پردہ گرتا ہے)

نیا منظر

اتوار کی صبح۔ پرانی بستی کے کئی بچے کلو کے گودڑ کے پاس آ کر جمع ہوتے ہیں اور کلو کا پلا ان کے ساتھ کھیلتا نظر آ رہا ہے۔ کلو کی آنکھ کھلتی ہے۔ وہ بچوں اور پلے کو غور سے دیکھتا ہے)

بچہ 1: کلو انکل، تم اس کو خرید کر لائے ہو؟

کلو: خرید کر؟ ارے نہیں۔ یہ بے چارہ چٹ کھا کر رات اندھیرے رو رہا تھا، ہم اٹھا لائے۔

بچہ 2: اس کے امی ابو کہاں ہیں؟

کلو: ہم کو کا پتہ۔ جب ہم اس کو دیکھے، تب یہ اکیلا تھا زخمی تھا، رو رہا تھا۔

بچہ 3: کلو انکل اس کا نام کیا ہے؟

کلو: نام؟ نام تو ہم سوچے ہی نہیں۔ ہاں نام تو رکھنا پڑے گا۔

بچہ 1: کلو انکل، ہم سب دوستوں نے اس کا نام ٹائیگر رکھا ہے۔ اس کو بھی یہ نام پسند ہے۔

بچہ 2: کلو انکل اب تم بھی اس کو ٹائیگر کہہ کر بلانا، یہ اپنا نام پہچانتا ہے۔

کلو: مطلب تم سب نے اس سے دوستی کرلی ہے۔

بچہ 2: ہاں جب ہم اسکول سے واپس گھر آتے ہیں تب تو تم رکشہ لے کر باہر ہوتے ہو۔

کلو: کہنا کیا چاہ رہے ہو تم؟

بچہ 1: جب تم یہاں نہیں ہوتے تب یہ ہم سب کے ساتھ خوش ہوکر کھیلتا ہے، ہمارے ساتھ ساتھ دوڑتا ہے۔ ہم اس کو روز اپنا بسکٹ بھی کھلاتے ہیں۔

کلو: اوہ اسی لیے یہ آج کل دودھ کم پی رہا ہے۔

بچہ 1: کل بلو کا برتھ ڈے تھا نا، کل بلو نے اسے مطلب ٹائیگر کو اپنا برتھ ڈے کیک بھی کھلایا تھا۔ اس نے خوب خوش ہوکر کیک کھایا۔ اس کو خوب مزہ آیا۔

بچہ 3: یہ ہمارے ساتھ سب چیز کھاتا ہے۔

کلو: خیال رہے اسے زیادہ مت کھلایا کرو، ورنہ یہ بیمار ہوجائے گا۔

بچہ 1: ٹھیک ہے اب ہم اس کو تھوڑا ہی دیا کریں گے۔

کلو: مطلب اب یہ میرا ہی نہیں ہم سب کا دوست ہے۔ کیوں ہے نا یہ تمہارا دوست؟

بچہ 2: ٹائیگر میرا تو بیسٹ فرینڈ ہے۔

پردہ گرتا ہے

نیا منظر

راوی 1: وقت کے ساتھ دھیرے دھیرے ٹائیگر کے پیروں میں جان پڑ چکی تھی۔ اب وہ دیر تک اور دور تک دوڑتا تھا۔ کوئی بچہ دور سے ٹائیگر کو پکارتا تو وہ فوراً آواز کی طرف دوڑ جاتا۔ صبح کو جب کلو رکشہ لے کر پرانی بستی سے نکلتا، ٹائیگر اداس ہوکر اس کے پیچھے دوڑتا، لیکن کلو زور سے ڈانٹ کر اسے واپس جانے پر مجبور کر دیا کرتا اور اس طرح ٹائیگر گدڑی میں جا کر چھپ جاتا۔

راوی 2: دوپہر کے وقت جب ٹائیگر کو احساس ہوتا کہ بستی کے بچے اب تھوڑی دیر میں اپنے اپنے اسکولوں سے لوٹ کر بستی واپس آنے لگیں گے، تو وہ خوش ہوکر ان کا انتظار کرنے لگتا ہے۔

سال پورا ہوتے ہوتے ٹائیگر ایک تندرست اور خوبصورت جوان کتا ہو چکا تھا۔ اس کا رنگ تو شاندار تھا ہی، اس کے بالوں کی چمک بھی سب کو اچھی لگتی تھی۔ اب بستی کے بچے بچے سے ٹائیگر کی پکی دوستی ہوچکی تھی۔ ٹائیگر بستی کے سبھی لوگوں کو پہچانتا تھا۔ رات میں جب سارا علاقہ گہری نیند میں سو جاتا تب ٹائیگر پوری بستی میں گھوم گھوم کر پہرا دیا کرتا تھا۔ وہ صبح ہونے پر تھک کر کلو کی گدڑی میں آ کر گھس جاتا اور بے خبر ہوکر سو جاتا۔

راوی 1: شام کے وقت جب بچے بستی کے پارک میں جمع ہوکر فٹ بال کھیلتے، ٹائیگر بھی ان کے ساتھ ساتھ دوڑتا اور ان کی ٹیم میں شامل ہوجاتا۔ وہ فٹ بال کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہتا۔ بستی کے سبھی بچے ٹائیگر کا خیال رکھتے اور رات میں ٹائیگر جاگ کر ان کے گھروں کا پہرا دے کر ان کا خیال رکھتا۔ کل بستی میں کسی کے گھر بارات آئی تھی۔ سبھی باراتی گلے میں ہار ڈالے گھوم رہے تھے۔ کسی بچے نے موقع دیکھ کر ایک چھوٹا سا ہار ٹائیگر کو بھی پہنا دیا جسے پہن کر شام تک ٹائیگر باراتیوں کے ساتھ ساتھ گھومتا رہا۔

■

Anis Azmi
C-62, Nar Vihar-1, Sector 34
NOIDA- 201301 (UP)

قسط 2

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

قسط وار ناول

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے ، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور فا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسند کے پیش نظر ' جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے ۔

اب تک آپ نے پڑھا کہ بھیڑیا اور گیدڑ آپس میں بات چیت کررہے ہیں کہ شیر خاں نے اپنے شکار کی جگہ بدل دی ہے ۔ اسی دوران انھیں اپنے غار کی طرف شیر خاں آتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو ایک انسان کے بچے کو شکار کرنا چاہتا ہے ۔ شیر خاں کی اس حرکت سے بھیڑیے ناراض ہوتے ہیں لیکن شیر خاں اپنے شکار پر جھپٹنے کی پوری کوشش میں ہے ۔ اب آگے

شیر خاں کی دھمکی

اچانک غار میں چاند کی روشنی آنی بند ہوگئی۔شیر خاں اپنا بڑا اور غالباً چوکور سر اور کندھا غار کے دہانے کے اندر گھسائے کھڑا تھا۔شیر خاں کے پیچھے کھڑا تبا کی کہہ رہا تھا۔

''میرے مالک، میرے مالک، وہ اسی غار کے اندر داخل ہوا ہے۔''

''شیر خاں نے یہاں آکر ہماری عزت میں اضافہ کیا ہے۔'' دادا بھیڑیا نے متین لہجے میں کہا۔لیکن اس کی آنکھوں میں غصہ بھرا ہوا تھا۔شیر خاں کو کس چیز کی ضرورت ہے؟''

''میرا شکار ایک انسان بچہ اس راستے سے گیا ہے۔'' شیر خاں نے کہا۔''اس کے ماں باپ بھاگ گئے ہیں۔اسے میرے حوالے کردو۔''

جیسا کہ دادا بھیڑیا نے پہلے بتایا تھا،شیر خاں ایک لکڑ ہارے کے ذریعہ جلائے گئے الاؤ میں کود پڑا تھا۔اس کے پنجے آگ میں جھلس گئے تھے۔پیروں کے نا قابل برداشت درد نے اس وقت اسے بہت ہی خوفناک بنا دیا تھا۔لیکن بھیڑیا یہ بھی جانتا تھا کہ غار کا دہانہ اتنا چھوٹا ہے کہ باگھ اس سے ہوکر اندر نہیں

قسط وار ناول:

آ سکتا تھا۔ غار کے دہانے میں شیر خاں ٹھنسا ہوا اس طرح کھڑا تھا کہ اس کے کندھے اور اگلے پنجے سکڑے ہوئے تھے اس کی حالت اس وقت اس آدمی کی مانند تھی جو ایک پیپے کے اندر گھس کر لڑائی کرنے کو تیار ہو۔

''بھیڑیا ذات آزاد جانوروں کی ذات ہے۔'' دادا بھیڑیا نے جواب دیا۔ ''وہ اپنے گروہ کے سردار سے حکم لیتے ہیں۔ پالتو مویشی مارنے والے کسی دھاری دار قاتل سے نہیں۔ (باگھ کے جسم پر کالی دھاریاں ہوتی ہیں) انسان بچہ ہمارا ہے۔ اگر ہماری مرضی ہوئی تو ہم ہی اسے ماریں گے۔ دوسرا کوئی نہیں مار سکتا۔''

''تو فیصلہ کرے گا؟ یہ مرضی اور نا مرضی کا سوال کیا؟ اس بیل کی قسم جسے میں نے مارا تھا۔ کیا میں اپنے شکار کے لیے تیری کتوں جیسی ماند میں اسی طرح سے ناک ڈالے کھڑا رہوں گا؟ اچھی طرح سمجھ لے کہ میں 'شیر خاں' بول رہا ہوں۔''

باگھ کی گھن گرج سے ماند ہل اٹھی۔ دوسرے ہی پل اماں بھیڑیا اپنے دودھ پیتے ہوئے بچوں کو ایک طرف جھٹک کر ایک ہی چھلانگ میں سامنے آ گئی۔ اندھیرے میں ہرے ہرے پتوں کی طرح چمکتی ہوئی اس کی آنکھیں شیر خاں کی آگ اگلتی آنکھوں سے مل گئیں۔

''تیرے سوال کا جواب میں راکشنی دے رہی ہوں۔ انسان بچہ میرا ہے۔ اے لنگڑے! اور میری چیز میرے پاس ہے۔ وہ مارا نہیں جائے گا۔ وہ میرے گروہ کے بھیڑیوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور شکار کرنے کے لیے زندہ رہے گا۔ اے چھوٹے اور ننگے بچے کے قاتل! مینڈک خور! مچھلی مار! تو یہ اچھی طرح سمجھ! کہ آخر میں وہ تجھے بھی مارے گا۔ اب تو یہاں سے چلا جا، ورنہ اس سانبھر کی قسم جسے میں نے مارا تھا (میں

تیری طرح پالتو اور بھوکے مویشی نہیں مارتی)، تو جتنا لنگڑا پیدا ہوا تھا اس سے بھی زیادہ لنگڑا ہو کر تو اپنی ماں کے پاس واپس پہنچے گا۔ اے جھلسے ہوئے وحشی جانور! تو یہاں سے دفع ہو جا!!''

دادا بھیڑیا حیران اور بھونچکا ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اور اس دن کو وہ تقریباً بھول چکا تھا جب اس نے باقاعدہ جنگ کر کے پانچ مدمقابل بھیڑیوں کو شکست دے کر اماں بھیڑیا کا دل جیتا تھا اور اسے اپنا بنایا تھا۔ ان دنوں اماں بھیڑیا اس کے ساتھ ساتھ شکار کیا کرتی تھی۔ تب اسے صرف سراہنے کے لیے ہی راکششی کہہ کر نہیں پکارا جاتا تھا۔ وہ ایسی ڈراونی، جنگجو اور ہمت والی تھی کہ اس کا نام اس پر صادق آتا تھا۔ شیر خاں دادا بھیڑیا کا مقابلہ تو کر سکتا تھا لیکن اماں بھیڑیا سے بھڑنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اماں بھیڑیا کو ایک تو اپنے ہی گھر میں ہونے کا فائدہ ہے اور دوسرے اس وقت جان کی بازی لگا کر لڑے گی۔ چنانچہ وہ غراتا ہوا پیچھے ہٹ گیا اور دور جاتے جاتے چلا کر بولا۔

''ہر کتا اپنے گھر میں بھونکتا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ بھیڑیا گروہ آدمی کے بچے کو پالنے کے سوال پر کیا کہتا ہے۔ اے جھاڑی نما دم والے چورو! یاد رکھنا کہ بچہ میرا ہے اور آخر کار میرے ہی دانتوں تلے آئے گا۔''

اماں بھیڑیا ہانپتی ہوئی اپنے بچوں کے پاس جا کر لیٹ گئی۔ دادا بھیڑیا نے فکر مند لہجے میں کہا: ''شیر خاں کی اتنی بات تو ٹھیک ہی ہے۔ انسان بچے کو گروہ کو دکھانا ضروری ہے۔ کیا تو اب بھی اسے اپنے پاس رکھے گی، بچوں کی اماں؟''

''پاس رکھوں گی؟'' وہ تعجب سے بولی۔ ''جس وقت وہ آیا اس وقت رات تھی۔ وہ ننگا اور بہت بھوکا بھی تھا۔ پھر بھی وہ بالکل ڈر نہیں رہا تھا۔ دیکھو، وہ میرے بچوں کو ڈھکیل کر پہلے ہی میرے پاس گھس آیا ہے۔ وہ لنگڑا قصائی تو اسے مار کر بان گنگا کی سمت بھاگ جاتا اور ادھر گاؤں والے ہماری ماندوں سے ایک ایک کو چن چن کر ہمیں جان سے مار کر اپنا بدلہ لے لیتے۔ پاس رکھو گی؟ بے شک میں اسے رکھوں گی۔ اے ننھے مینڈک! چپ چاپ لیٹ، اے میرے موگلی۔ میں تجھے موگلی مینڈک ہی کہہ کر پکاروں گی۔ ایک وقت آئے گا جب تو شیر خاں کو مارنے کے لیے اسی طرح اس کا پیچھا کرے گا جیسے اس نے تیرا کیا ہے۔''

''لیکن ہمارا گروہ کیا کہے گا؟''۔ دادا بھیڑیا نے خدشہ ظاہر کیا۔

جاری ....

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ**: زینت شہریار، **دوسری اشاعت**: 2022، **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

جواب

1	چار سال بعد	2	منگلیان	3	فوگاکو سوپر کمپیوٹر	4	سفید
5	Ornithology	6	ویلنٹینا تریشکووا	7	الفریڈ نوبل	8	آٹومیٹڈ ٹیلر مشین
9	1920	10	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی	11	1757	12	پاٹلی پترا
13	لیونارڈو ڈاونچی	14	1942	15	ورلڈ وائڈ ویب	16	نظیر اکبرآبادی
17	محمد شفیع الدین نیر	18	10 اپریل	19	21 فروری	20	سات

خالد نصیر ہاشمی

چھتری

ایک دن لیٹے لیٹے دیوان غالب کو آٹھویں بار پڑھ رہے تھے اور مرزا غالب کو سمجھنے کی لاحاصل کوشش کر رہے تھے کہ اچانک خیال آیا کہ یہ مرزا صاحبان کون لوگ ہوتے ہیں۔ پھر دھیان آیا کہ مرزا غالب سے پہلے ایک شاعر حضرت میر کے زمانے میں گزرے ہیں جن کو لوگ مرزا یا غالباً میرزا سودا کے نام سے یاد کرتے ہیں اور عموماً دونوں شعرا کا موازنہ کرتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ مرزا کا کلام واہ اور میر کا کلام آہ۔ خیر سوچا کہ ڈکشنری سے کنسلٹ کرتے ہیں۔ ماشاء اللہ گھر میں تین اردو لغات موجود تھیں جن میں معانی کا لب لباب یہ نکلا ''امیر زادہ، تیموریہ خاندان کے شہزادوں کا لقب۔ غالب تیموریہ نہ سہی ترکیہ، سلجوقیہ خاندان کے شہزادے تھے اور ان کے آبا و اجداد کا محبوب ترین مشغلہ تیغ زنی و سپہ گری تھا۔ اسی سلسلے میں فرماتے ہیں: سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے۔ غالب مختصر اوقات میں 'امیرزادے' بھی ہوجاتے تھے، پر کبھی کبھی۔

خیر بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی۔ یہی سوچتے ہوئے ہم نے اردگرد اطراف میں نظر ڈالی۔ ہمارے دوستوں میں کئی لوگ اپنے نام کے ساتھ مرزا لگاتے ہوئے پائے گئے اور کچھ ایسے بھی تھے جو شہزادے تو کیا امیرزادے بھی نہ لگتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو الف ب سے بھی واقف نہ تھے اور مرزا کا دم چھلا لگاتے تھے اور دور کیوں جائیں ہمارے ایک ہم نام عزیز اپنے نام کے ساتھ مرزا لگاتے تھے لیکن اپنے نام سے پہلے نہیں بلکہ نام کے بعد میں تو یہ معاملہ بہت کچھ الجھ گیا تھا۔ تو ہم نے سوچا کہ اس معاملے کو ہم کسی اور وقت سلجھا لیں گے۔

انشائیہ

اب شروع کردیں اپنی کہانی۔

تو مرزا کے تعلق سے پطرس کے مرزا کی طرح ہمارے بھی ہمدم و ہم نشیں ایک دوست ہیں اور وہ بھی مرزا کہلاتے ہیں۔ ہم نے نہ کبھی ان کا اصل نام جاننے کی کوشش کی اور نہ ہی یار دوستوں سے کچھ پتہ چلا تو ہم اس قصے میں ان کو مرزا صاحب ہی کہہ کر مخاطب کریں گے۔

تو ایسے ہی ایک روز اپنی دوستی کو تازہ کرتے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ مرزا صاحب نے ایک سرد سی آہ بھری اور فرمایا میاں سنتے ہو یہ دنیا بڑی بے وفا ہے میں نے ان کی آہ کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے عرض کیا مرزا صاحب خیریت ہے؟ آپ کو اچانک دنیا کی بے وفائی اور بے ثباتی کا کیسے خیال آ گیا۔ کہنے لگے خیال کیسے نہ آتا۔ ہر طرف دیکھو بے وفائی ہی نظر آتی ہے۔ میں نے کہا ذرا وضاحت کریں۔ کہنے لگے دیکھو معشوق بے وفا..... دوست بے وفا اور خدا نہ کرے بیویاں بے وفا۔ میں نے کہا یہ تو کچھ انفرادی سی بے وفائیاں ہیں جو اجتماعی چوکھٹ میں فٹ نہیں بیٹھ رہی۔ کہنے لگے اور بے وفائیاں گناؤں۔ میں نے کہا جی بڑھیے آگے۔ بولے چاند بے وفا گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، کبھی آدھا نظر آتا ہے کبھی پورا۔ رمضان اور عید کے موقعے پر کبھی نظر آتا ہے، کبھی نہیں۔ ساری دنیا کو پریشان کرتا ہے پھر یہ چاند گرہن اور سورج گرہن کتنی نمازیں پڑھی جاتی ہیں ان کے اثراتِ بد کو دور کرنے کے لیے اور پھر موسموں کو دیکھ لو ایک جیسے رہتے نہیں۔ کبھی سردی کبھی گرمی اور پھر برسات اور کہاں تک گناؤں۔ تم سمجھ دار انسان ہو اس طرح کی مزید صورتیں تم بھی گن سکتے ہو۔ میں نے کہا پہلے تو آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے سمجھدار اور انسان سمجھا، لیکن ایک بات ابھی ذہن میں آتی ہے کہ بہت سے مقامات ایسے ہیں مثلاً قطبین وغیرہ وہاں تو موسم ایک جیسا رہتا ہے۔ کہنے لگے دیکھو اتنی زیادہ عقلمندی کی باتیں کرو گے تو ہماری تمہاری دوستی کھٹائی میں پڑ سکتی ہے۔ میں تمھیں حقیقت بتاتا ہوں۔ ہمارے ایک دوست ہیں میں نے انھیں ٹوکتے ہوئے عرض کیا مرزا صاحب آپ تو مجھ سے بھی بیوفائی کے مرتکب ہو رہے ہیں، میں تو سمجھتا تھا میں ہی آپ کا دوست ہوں۔ بولے سنو تو وہ صاحب ہمہ وقت چھتری تانے پھرتے ہیں، میں نے پوچھا بھی ایسا کیوں کرتے ہو۔ کہنے لگے موسم کا کچھ نہیں پتا۔ کس وقت دھوپ نکل آئے۔ کس وقت چھاؤں آئے، کس وقت بارش ہونے لگے۔ مجھے مرزا صاحب کے دوست کی کہی بات واقعی معقول لگی۔ ساتھ ہی ذہن میں آیا کہ چھتری ہے دلچسپ چیز۔ ہمارے گھر میں کئی چھتریاں ہیں۔ کئی رنگ کی، کئی سائزوں کی۔ میرے اپنے استعمال کی دو کالی چھتریاں ہیں۔ ایک بڑی جو تیز بارش میں کام آتی ہے اور دوسری نسبتاً چھوٹی جو معمولی بوندا باندی میں کام آتی ہے۔ دو جو میرے خیال میں ابھی دو ہی ہیں بیوی کے استعمال میں رہتی ہیں۔ سائز میں ذرا چھوٹی لیکن رنگین ہیں اور پھر بچوں کی چھوٹے سائز کی رنگ برنگی چھتریاں ہیں اور ایسی ہی ایک سب سے چھوٹی بچی کی ہے اور ضد کر کے اس نے اپنی ماں سے منگوائی ہے اور اس سے گھر کے اندر کھیلتی ہے۔

تو ہوا یوں کہ برسات کے دن تھے لیکن اس روز بارش نہیں تھی۔ میں کام کی غرض سے باہر نکل رہا تھا تو محترمہ نے (میں انھیں بیگم وغیرہ کی جگہ محترمہ ہی کہتا ہوں اور عام شوہروں کی طرح انھیں اپنے سے زیادہ عقلمند گردانتا ہوں اور اسی میں عافیت بھی سمجھتا ہوں) تو اس وقت ان کی بات کا کچھ دھیان نہ رکھتے اور یہ سوچتے ہوئے کہ یوں گیا اور یوں آیا بنا چھتری لیے نکل پڑا تو جس کام کے لیے آیا تھا اس میں

توقع سے زیادہ دیر لگ گئی اور اسی دیر سویر میں وہ زوردار بارش برسی کہ کوئی جائے پناہ نہ ہوتے ہوئے کپڑوں سمیت غسل فرما لیا۔

تو اسی برسات کے دوران ہمیں کچھ ایسا کام پڑا کہ اس کے لیے کافی دور جانا تھا۔ اسکوٹر والوں کا عجیب رویہ دیکھا۔ ایک تو خالی ہوتے ہوئے ہاتھ دینے کے باوجود سیدھے نکلے چلے جاتے ہیں۔ وہ جو بمشکل رک بھی جاتے ہیں پوچھتے ہیں کدھر جانا ہے، جب مقام بتاتے ہیں تو بول دیتے ہیں، اس طرف نہیں جانا۔ ارے بھائی تو تمھارے گھر کی طرف چلیں کیا؟ کوئی تھوڑا شریف نکلا اور ہاتھ دینے پہ رک بھی گیا اور مقام مطلوبہ کے لیے جانے پہ راضی ہوا تو فرمایا اتنے پیسے ہوں گے۔ بولتے ہیں بھائی میٹر سے چلو۔ ناجی اپنا پڑتا نہیں کھاتا۔ آپ راضی ہو تو بیٹھ جاؤ۔ تو آپ بتائیے ایسی صورت میں کیا کریں۔ صرف ایک ہی آپشن رہ جاتا ہے وہ ہے بے بسی کی بس۔ تو خیر نکل پڑے اپنے نزدیکی بس اڈے کی طرف اور وہاں انتظار کی زحمت برداشت کرتے رہے، خدا خدا کر کے بس آئی اور اس میں سوار ہو کے مقام مطلوبہ تک پہنچ گئے۔ اس مقام سے ملحق ایک بڑا بازار تھا اور وہاں خریداروں کی بھیڑ تھی تو اپنا کام نمٹانے کے بعد اس بازار کے نزدیکی بس اسٹینڈ پر پہنچ کر اپنی طرف جانے والی بس کا انتظار کرنے لگے۔ یہ دہرانے کی ضرورت نہیں کہ برسات کے دن تھے۔ بس اسٹاف پر کافی مسافر موجود تھے۔ یہ بتا دیں کہ اس زمانے میں آج کل کی طرح بسوں کی افراط نہ تھی لیکن مسافروں کی اس زمانے بھی افراط ہوا کرتی تھی، خاص طور پر بازاروں سے متعلق اسٹاپس پر۔ تو ان کم کم بسوں کے ڈرائیوروں کی موج ہوتی تھی۔ بس روکیں یا نہ روکیں ان کی مرضی ہوا کرتی تھی اور خاص بات یہ تھی کہ بس اسٹینڈس پر بس کبھی نہ روکتے تھے بلکہ مسافروں کو اپنے اور بس کے پیچھے دوڑا کر اپنی اور بس کی اہمیت جتا کر اطمینان قلب حاصل کیا کرتے تھے۔ بس کا ہم بے صبری سے انتظار کر رہے تھے۔ بس اسٹینڈ پر ویسے ہی چھت نہ ہوتی تھی کیونکہ اسٹاپ پر ٹھہرتا ہی کون تھا۔ اس لیے گورنمنٹ نے بھی کبھی اسے ضروری نہ سمجھا۔ ناچار کوئی جائے امان نہ پا کر ہم نے ادھر ادھر نظریں گھمائیں تو ایک دکان چھتریوں کی نظر آئی تو اس طرف دوڑ لگائی۔ وہاں دکان دار یا تو محو خواب تھا یا ستانے کی خاطر آدھا لیٹا اور آدھا بیٹھا نظر آیا۔ اس نے ہمیں اپنی چندی آنکھوں سے دیکھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ہم یکے از مخلوقِ انسانی ہیں تو بولا کیا ہے۔ ہم نے اس کے 'کیا' کو نظر انداز کرتے ہوئے بہ آواز بلند کہا ہمیں چھتری چاہیے۔ تو وہ بولا سامنے ٹنگی ہیں اور اشارہ ان رنگ برنگی ٹنگی چھتریوں کی طرف کیا۔ ہم نے کہا ہمیں اپنی طرح کی چھتری چاہیے تو وہ نابکار بولا تمہاری جیسی بدصورت چھتری ہمارے پاس کوئی نہیں۔ لینی ہو تو لو ورنہ آگے بڑھو۔ ہم نے ادھر اُدھر دیکھا، دوسری کوئی دکان چھتری کی نظر نہ آئی، ناچار ایک چھتری خریدی اور اس کا منھ کالا کیا۔ واپس بس اسٹاپ پر پہنچے۔ وہاں حسب سابق مسافر موجود تھے اور بس غائب تھی۔ انتظار فضول تھا۔ نہ بس ملنی تھی اور اگر ملتی بھی تو اس میں سوار ہونے کی امید نہ تھی تو پیدل وہی رنگین چھتری تانے عازم سفر ہوئے۔

■

Khalid Naseer Hashmi
94, Zakir Bagh, Okhla Road
New Dehi- 110025

اعتذار

'بچوں کی دنیا' جنوری 2024 کے شمارے میں ایک تکنیکی غلطی سرزد ہو گئی تھی، جس کی فوری طور پر اصلاح کر لی گئی۔ ادارہ اس کے لیے معذرت خواہ ہے۔

شاہ تاج خان

مینڈک

اشرف دوڑتا ہوا آیا اور دادا جی کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلنے کے لیے کہنے لگا۔ اشرف اور سالم تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی دادی کے ساتھ سوسائٹی کے گارڈن میں کھیلنے کے لیے گئے تھے۔ اچانک اشرف کے گھر آنے پر دادا جی نے اپنی فکر کا اظہار کرتے ہوئے کہا

''کیا ہوا اشرف؟ سب خیریت ہے؟'' اشرف نے کہا۔

''دادا جی! سب ٹھیک ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیے۔'' اشرف نے دادا جی کو تقریباً کھینچتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی! یہ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟'' دادا جی سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے کہ ماجرا کیا ہے۔ اشرف نے دادا جی کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

''دادا جی! مچھلیاں پانی میں تیرتی ہیں نا!'' دادا جی نے جواب دیا۔

''جی ہاں!'' تو اشرف نے کہا۔

''جی دادا جی میں بھی یہی کہہ رہا ہوں تو سالم بھائی مجھ پر ہنس رہے ہیں۔ وہ مچھلیوں کو دیکھ کر بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ مچھلیاں نہیں ہیں۔ آپ انھیں چل کر سمجھائیے۔'' دادا جی نے کہا۔

''اشرف آپ نے مچھلیاں کہاں پر دیکھی ہیں؟'' دادا جی بھی سوچ میں پڑ گئے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُن کی سوسائٹی کے آس پاس کوئی بھی ندی یا تالاب یہاں تک کہ کوئی نالا بھی نہیں ہے۔ تب تک وہ سوسائٹی کے گارڈن کے قریب پہنچ گئے تھے۔ لیکن اشرف انہیں گارڈن کے سامنے والے پلاٹ کی جانب لے جانے لگا۔ جہاں کچھ روز قبل ہی تعمیر کا کام شروع ہوا تھا۔ دادا جی نے اشرف سے کہا۔

''اشرف! آپ کو اِس پلاٹ میں اب نہیں جانا چاہیے۔ وہاں کام شروع ہو گیا ہے۔'' اشرف کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ لوگ پلاٹ کے پترے والے دروازے سے اندر داخل ہو چکے تھے۔ جہاں کئی بچے چھوٹے چھوٹے گڑھوں میں بھرے پانی سے کچھ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چوکیدار بھی وہاں پر موجود تھا۔ دادا جی نے اُس کے قریب جا کر کہا۔

''راجو! آپ نے بچوں کو ابھی سے اندر آنے کے لیے منع کرنا چاہیے۔ بھلے ہی ابھی کام شروع نہیں ہوا ہے لیکن

کہانی

احتیاط ضروری ہے۔'' راجو نے کہا۔

''انکل جی ابھی تو صرف پترے ہی لگے ہیں۔ جب کام شروع ہوگا تو میں اِس بات کا خیال رکھوں گا۔آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ویسے بھی بچوں کو یہاں نہیں آنے دیتا ہوں۔ کہیں کسی بچے کو چوٹ نہ لگ جائے اِس بات کی مجھے بھی فکر رہتی ہے۔'' اشرف نے دادا جی سے کہا۔

''دادا جی آپ راجو کا کا سے بعد میں بات کر لیجیے گا پہلے میرے ساتھ چلیے۔'' دادا جی نے کہا۔

''اب اور کہاں جانا ہے؟'' دادا جی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو اشرف نے کہا۔

''وہ سامنے والے گڑھے میں ڈھیروں مچھلیاں تیر رہی ہیں۔ انھیں دیکھیے۔'' دادا جی نے ایک گڑھے میں دھیان سے دیکھا اور کہا۔

''اشرف میاں! یہ مچھلیاں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ٹیڈپول ہیں۔'' اشرف نے پریشان ہوکر کہا۔

''چھوٹی مچھلیاں نا!'' دادا جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا یہ مچھلیاں نہیں ہیں۔ یہ ٹیڈپول کچھ وقت کے بعد مینڈک بن جائیں گے۔'' اشرف کا منہ حیرانی سے کھلا رہ گیا۔ اُسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ یہاں وہاں پھدکنے والے مینڈک پانی میں مچھلی کی طرح کیسے تیر رہے ہیں۔ اشرف نے دادا جی سے پوچھا۔

''دادا جی! کیا مینڈک پہلے مچھلی ہوتے ہیں؟'' دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوں ں ں! یہ مچھلی جیسے نظر آتے ہیں، لیکن مچھلی نہیں ہوتے۔ اِن کی زندگی کے چکر (Life cycle) کی مکمل معلومات آپ کی ہر اُلجھن کو سلجھا دے گی۔ چلیے گھر چلتے ہیں۔ وہاں میں آپ کو چند تصاویر کی مدد سے انڈے سے مینڈک بننے تک کے دورانیہ حیات کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ جایئے سالم بھائی اور دادی کو بھی بلا لایئے۔'' گھر پہنچ کر دادا جی نے سالم کو اپنی سائنس کی کتاب لانے کے لیے کہا اور دادی جی سے کہا کہ وہ اُن کے لیے چائے اور بچوں کے لیے کچھ پیاز کے پکوڑے بنا دیں۔ سالم نویں جماعت میں اور اشرف چوتھی جماعت میں زیرِ تعلیم ہیں۔ دادا جی دو سال پہلے ریٹائر ہوئے ہیں۔ وہ اسکول میں سائنس کے ٹیچر تھے۔ چائے پکوڑے آنے کے بعد دادا۔ دادی، سالم اور اشرف نے اپنی اپنی کرسی سنبھال لی۔ دادا جی نے کتاب کھول کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''اشرف! مینڈک کے دورِ حیات کو دھیان سے دیکھیے۔ مینڈک سے شروع کر کے اُس کی نشو ونما کے پورے سائیکل کو اُلٹی طرف یعنی جوان مینڈک بننے سے پہلے وہ کن کن مراحل سے گزرا ہے۔ اُس پر ایک نظر ڈالیے۔'' تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے اشرف نے کہا۔

''انڈے میں سے تو مچھلی ہی نکلی تھی۔ مگر بعد میں یہ مینڈک بن گئی۔'' اشرف نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا تو سالم نے اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

''بدھو میں یہی تو کہہ رہا تھا کہ وہ مچھلیاں نہیں ہیں۔ وہ ٹیڈپول ہیں۔'' دادا جی نے سالم سے پوچھا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ اُسے ٹیڈپول کیوں کہتے ہیں؟'' سالم نے کہا۔

''دادا جی میں نے کلاس میں پڑھا ہے کہ سب سے پہلے انڈا (Egg) پھر غوکچہ (ٹیڈپول (Tadpole) اُس کے بعد فروگلیٹ (Froglet) اور پھر مینڈک (Frog)۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ اُسے ٹیڈپول کیوں کہتے ہیں۔'' دادا جی نے سالم کو سمجھاتے ہوئے کہا

''آپ کو اشرف کا مذاق نہیں اُڑانا چاہیے تھا۔ اُس کی

معلومات ابھی کم ہیں۔ کیونکہ وہ ابھی چھوٹا ہے۔اور دیکھیے آپ کی معلومات بھی ابھی مکمل نہیں۔ہم زندگی بھر سیکھتے رہتے ہیں۔‘‘ دادا جی کی بات سُن کر سالم نے اشرف سے معذرت کی اور پھر سوال کیا۔

’’دادا جی! پلاٹ کے گڑھے میں جو ڈھیر سارے ٹیڈپول تیر رہے ہیں انہیں ٹیڈپول کیوں کہتے ہیں؟‘‘ دادا جی نے سالم کو پہلے شاباشی دی اور پھر اُس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

’’اِسے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ مینڈک کی وہ ابتدائی شکل جب تک کہ اُس کی دُم (Tail) اور گلپھڑے (Gills) موجود ہوں اور اُن کی ٹانگوں کی نشوونما نہ ہوئی ہو، تو اُسے ٹیڈپول کہتے ہیں۔‘‘ اشرف نے پوچھا۔

’’دادا جی یہ غوکچے (Tadpoles) کب تک پانی میں تیرتے رہیں گے؟ یہ کب مینڈک بنیں گے؟ کیا وہ کل تک مینڈک بن جائیں گے؟‘‘ دادا جی نے اشرف کو اپنی گود میں بٹھا کر پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

’’ایک انڈے سے بالغ مینڈک بننے تک کا سفر بہت لمبا ہوتا ہے۔جس میں کئی ہفتے لگتے ہیں۔تین سے پچیس دن انڈے سے ٹیڈپول بننے میں لگتے ہیں۔پھر بارہ سے سولہ ہفتے ٹیڈپول سے فروگلیٹ بننے میں لگ جاتے ہیں اور تقریباً چھ سے نو ہفتے کا وقت مینڈک کو بالغ (Adulthood) ہونے میں لگ جاتا ہے۔‘‘ اشرف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

’’دادا جی! مینڈک کی زندگی کی پوری کہانی سنائیے۔ میں اِسے فون میں ریکارڈ بھی کرلوں گا۔پھر اپنی بیاض میں نوٹس بنالوں گا اور جب اسکول میں مینڈک کے بارے میں پڑھایا جائے گا تو میں کلاس میں بہت سارے سوال پوچھوں گا۔‘‘ اشرف نے خوش ہوکر کہا تو دادا جی نے مسکرا کر اپنی بات شروع کی۔

’’مادہ مینڈک پانی میں سینکڑوں انڈے دیتی ہے جو پانی

کی سطح پر تیرتے رہتے ہیں۔جس میں سے زیادہ تر انڈے ہوا اور پانی کی وجہ سے ضائع ہوجاتے ہیں۔اِن انڈوں پر ایک جیلی نما مادّہ ہوتا ہے۔جو انھیں ایک جگہ رکھنے میں مدد کرتا ہے، فرٹیلائزڈ انڈوں (Fertilized eggs) کے اس گروپ کو SPAWN کہتے ہیں۔کچھ وقت کے بعد اِن انڈوں سے ٹیڈپول باہر آتے ہیں۔تب وہ مینڈک نہیں بلکہ مچھلی سے مشابہت رکھتے ہیں۔اِن ٹیڈپول کو تو آپ نے گڑھے میں تیرتے ہوئے دیکھا ہی ہے۔‘‘ سالم اور اشرف نے اثبات میں سر ہلایا۔دادا جی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے آگے کہنا شروع کیا۔

’’یہ ٹیڈپول سب سے پہلے اسی یوک یعنی جیلی جیسی چیز کو کھا لیتے ہیں۔جسے چیر کر وہ باہر نکلے ہوتے ہیں۔کچھ وقت کے بعد ہی پانی میں سانس لینے کے لیے اِن کے گلپھڑے (External gills) تشکیل پاتے ہیں۔اور اِن کی دُم (Tail) بھی لمبی ہونا شروع ہوجاتی ہے۔جو انھیں پانی کے اندر تیرنے

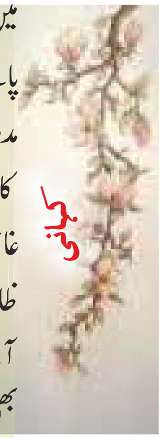

میں مدد کرتی ہے۔اِسی دوران اُن کے پیرا کے (Fin) بھی نمو پاتے ہیں۔یہ جھلی دار عضو انھیں تیرنے اور توازن برقرار رکھنے میں مدد کرتے ہیں اور ہاں اِس دوران ٹیڈپول کی غذا، پودے اور کائی (Algae) ہوتی ہے۔کئی ہفتوں کے بعد اُن کے گلپھڑے غائب ہونا شروع ہوتے ہیں اور پھر پچھلے پیر (Hind limbs) ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں۔تب یہ کچھ کچھ مینڈک جیسے نظر آنے لگتے ہیں۔کچھ ہی عرصے میں اگلے پیر (Fore limbs) بھی نمودار ہوتے ہیں۔اسی وقت میں اِسے فروگلیٹ کہا جاتا ہے۔یہی وقت ہے جب جسم کے اندر پھیپھڑے (Lungs) بھی بننا شروع ہو جاتے ہیں تا کہ جب مینڈک خشکی پر قدم رکھے تب وہ سانس لے سکے۔آخر میں وہ لمحہ آتا ہے جب فروگلیٹ کی لمبی دُم بھی دھیرے دھیرے کم ہو کر غائب ہو جاتی ہے۔اور پھر وہ دن آتا ہے جب ایک لمبی چھلانگ مار کر مینڈک پانی سے باہر پہنچ جاتا ہے۔'' دادا جی نے ڈرامائی انداز میں کہا تو سبھی ہنس پڑے۔

''ارے ہاں! ایک بات اور، مینڈک Anurous فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔یہ وہ جانور ہوتے ہیں جن کی دُم نہیں ہوتی۔'' دادا جی نے بات ختم کی تو کافی دیر سے خاموش بیٹھی دادی جی نے کہا۔

''مجھے بھی مینڈک کے بارے میں ایک بات یاد ہے کہ اسے Amphibion اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ پانی اور خشکی دونوں جگہ رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔'' سالم نے لقمہ دیا۔

''دوہری زندگی (Double life)۔جب مینڈک کی ٹانگیں پوری طرح تیار ہو جاتی ہیں تب وہ آبی ماحول چھوڑ کر خشکی پر آجاتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ پانی کے قریب ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔کیونکہ ان کی جلد کو نمی کی ضرورت ہوتی ہے۔اگر اُن کی جلد خشک ہو جائے تو مینڈک کی موت واقع ہو جاتی ہے۔'' سالم کی بات سُن کر دادا جی نے خوش ہو کر کہا۔

''واہ بہت خوب! اچھی معلومات فراہم کی ہے آپ نے اور ہاں! ویسے تو مینڈک عام طور پر زہریلے نہیں ہوتے لیکن کچھ ایک میں زہر پایا جاتا ہے۔سب سے زہریلے مینڈک کا نام GOLDEN POISON ہے۔اسے Blue poison dart بھی کہتے ہیں۔'' اشرف نے کہا۔

''واہ اب تو میرے پاس بہت سی معلومات ہیں۔دادا جی اُس گڑھے میں تو بہت سارے ٹیڈپول تیر رہے ہیں۔اس کا مطلب وہاں کچھ ماہ بعد مینڈکوں کی آرمی تیار ہو جائے گی!'' دادا جی نے حیرت سے کہا۔

''ارے تمھیں کس نے بتایا کہ مینڈکوں کے گروپ کو آرمی (Army) کہتے ہیں۔'' سالم بھی اشرف کی جانب حیرت سے دیکھ رہا تھا۔اور خود اشرف بھی اپنا سر کھجا رہا تھا۔کیونکہ اُس نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔دادا جی نے اشرف کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے فخریہ انداز میں کہا۔

''آخر پوتا کس کا ہے!'' دادی بھی مسکرا رہی تھیں تبھی دروازے کی گھنٹی بجی اور وہ اُٹھ کر دروازہ کھولنے چلی گئیں۔ اشرف اور سالم کے امّی ابّو دفتر سے واپس آگئے تھے۔اشرف کو دادا جی کی گود میں بیٹھا ہوا دیکھ کر اُس کے ابّو نے کہا۔

''اپنے پوتے کو ہی دلار کریں گے یا مجھے بھی کچھ ملے گا۔''

دادا جی نے ہنستے ہوئے سب کے لیے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔

(تعارف مارچ 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Shahtaj Khan
588/2b, Hayat Manzil, Plot No 40
Flat no 4, New Era Society
Market Yard
Pune-411037 (Maharashtra)

شیخ حسین

بولتا شیر

کہانی

دو لکڑہارے اپنے کندھوں پر کلہاڑی لیے جنگل کے داخلی راستے پر گہری سوچ میں ڈوبے کھڑے تھے۔ ایک کا نام رحمت خان تھا اور دوسرے کا کرامت خان۔ دونوں پڑوسی ہونے کے ساتھ ساتھ گہرے دوست بھی تھے۔ جن کی دوستی گاؤں بھر میں مشہور تھی۔ ہر روز دونوں اپنے گھروں سے کلہاڑی لے کر قریب کے جنگل میں جاتے، لکڑیاں کاٹتے، گٹھے بناتے اور شہر واپس آ کر بیچ دیتے۔ روکھی سوکھی ہی سہی پھر بھی وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سکھ چین کی زندگی گزار رہے تھے۔ اچانک ایک دن ہوا یہ کہ جس جنگل سے وہ لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے، اس جنگل میں لکڑیاں کاٹنے پر سرکار نے پابندی لگا دی۔ اس پابندی کی وجہ سے ان کے اہل خانہ پر فاقوں کی نوبت آن پڑی۔ تب انھوں نے دوسرے جنگل میں جانے کا فیصلہ کیا۔

آج وہ دوسرے جنگل میں پہلی مرتبہ داخل ہونے کا سوچ رہے تھے۔ ان کے دماغ میں لوگوں کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس جنگل میں روزانہ دوپہر کے بعد ایک بہت بڑا خونخوار شیر شکار کی تلاش میں نکلتا ہے۔ بات اتنی ہی ہوتی تو کوئی حیرت کی بات نہ ہوتی، کیونکہ جنگلوں میں شیر چیتے ہاتھی تو ہوتے ہی ہیں، لیکن سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس شیر کے بارے میں لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ شیر دہاڑنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کی طرح باتیں بھی کرتا ہے۔ بہتوں کا تو یہ بھی کہنا تھا کہ یہ شیر کوئی شیر نہیں، کوئی جن یا بھوت پریت ہے۔

''اور کب تک اس طرح بت بنے کھڑے رہو گے کرامت بھائی؟'' رحمت خان نے کرامت خان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو کرامت خان چونک کر کہنے لگا:

''چلو رحمت خان، واپس اپنے گاؤں لوٹ چلتے ہیں۔ بھیا جان ہے تو جہان ہے!''

''کیا بات کر رہے ہو کرامت بھائی تم، ہم واپس اپنے گھر کیا ایسے خالی ہاتھ جائیں گے؟ ہمارے بچے بھوکے پیاسے ہمارے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ یہ سب تو ہم نے دیکھا نہیں، لوگوں سے سنا ہے۔ چلو اللہ کا نام لے کر آگے بڑھتے ہیں؟''

رحمت خان کی باتوں نے کرامت خان کی ہمت بڑھائی اور وہ دونوں جنگل میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک بہت بڑا جنگل تھا۔ بڑے بڑے درخت قریب قریب ہونے کی وجہ سے ان کی شاخیں آپس میں گڈمڈ ہو چکی تھیں۔ پھر بھی کہیں کہیں ہری ہری گھاس سے ڈھکے میدان بھی تھے۔ رحمت سے زیادہ کرامت کے چہرے پر خوف جھلک رہا تھا۔ کرامت پتوں کے کھڑکنے پر بھی چونک کر پیچھے پلٹ کر ''کون ہے... کون ہے؟'' کہتا جا رہا تھا۔

''ارے ڈرو نہیں کرامت بھائی! شیر آیا بھی تو دوپہر کو آئے گا، ابھی تو صبح ہے، تب تک ہم لکڑیاں کاٹ کر چلے بھی جائیں گے۔ اللہ کا نام لو اور کام شروع کرو'' رحمت خان نے کہا۔

پھر دونوں نے اپنی اپنی کلہاڑیاں کندھوں سے اتار کر کام شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں کافی لکڑیاں کاٹ لیں تو رحمت خان نے اپنی کاٹی ہوئی لکڑیوں کو سمیٹ کر گٹھا بناتے ہوئے بولا:

''چلو کرامت بھائی اب چلتے ہیں، دوپہر ہونے کو ہے۔''

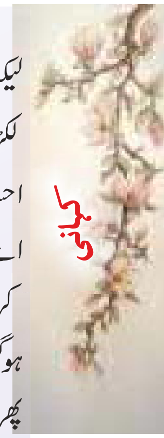

رحمت خان کی باتیں سن کر کرامت خان کچھ دیر رک گیا، لیکن جنگل میں لکڑیوں کی افراط دیکھ کر وہ دوبارہ درختوں سے لکڑیاں کاٹنے میں مشغول ہو گیا۔ اسے نہ دوپہر ہونے کا احساس رہا اور نہ شیر کے آنے کا خوف۔ رحمت خان بار بار اسے ٹوکتا رہا، لکڑیاں کاٹنا بند کر کے واپس گھر لوٹنے کا اصرار کرتا رہا۔ مگر کرامت خان پر تو لالچ غالب آ چکا تھا۔ آخر دوپہر ہوگئی۔ رحمت خان نے لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر سر پر رکھتے ہوئے پھر ایک بار کرامت خان کو گھر واپس چلنے کو کہا۔ لیکن کرامت خان اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا:

”ارے رحمت خان، تم تو بڑے ڈرپوک نکلے بھئی... ارے ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے۔ یہ شیر ویر کی باتیں لوگوں نے یونہی تم جیسے لوگوں کو ڈرانے کے لیے اڑا رکھی ہے... چلو چلو اور لکڑیاں کاٹو!“ کرامت خان قہقہہ لگاتے ہوئے بولا، لیکن پھر اچانک سنجیدہ ہو کر ایک جانب دیکھنے لگا۔ رحمت خان نے بھی اس طرف دیکھا تو اپنی جگہ ٹھٹھک گیا، کیونکہ جنگل کی گیلی زمین پر شیر کے پنجوں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔ نشان دیکھ کر کرامت خان ایک بار پھر مارے خوف کے سوکھے پتوں کی مانند کانپنے لگا۔ اس کا سارا بدن پسینے میں شرابور ہو چلا تھا۔ وہ دونوں ابھی زمین پر اُمڈ آئے شیر کے پنجوں کو دیکھ ہی رہے تھے کہ دور سے شیر کی دہاڑ سنائی دی۔ کرامت خان بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

”میں نے پہلے ہی کہا تھا، واپس چلو، جان ہے تو جہان ہے، لیکن تم نہیں مانے۔ ارے باپ رے، اب میں کیا کروں۔“ وہ زور زور سے رونے لگا تو رحمت خان نے اس کی ہمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کرامت خان اللہ پر بھروسہ رکھو، زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ ہے۔ ایسے رونے سے کیا فائدہ۔ یاد کرو، جب ہم اسکول جایا کرتے تھے تو ہمارے استاد نے کہا تھا ایسی مصیبت کے وقت ہمیں اللہ کو یاد کرنے کے علاوہ ہمت سے کام لینا چاہیے۔ گھبرانے کے بجائے مصیبت سے نجات کا راستہ، کوئی ترکیب سوچنی چاہیے!“

لیکن دوسری طرف شیر کی دہاڑ سے جنگل کا کونا کونا دہل اٹھا تھا۔ کرامت خان کے ساتھ ساتھ اب رحمت خان کی بھی بری حالت ہونے لگی تھی۔ رحمت خان کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ البتہ کرامت خان خالی ہاتھ تھا۔ وہ قریب والے ایک غار کی طرف دوڑا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے کہ رحمت خان اپنے سر پر رکھے لکڑیوں کے گٹھے کو زمین پر اتارتا اور کرامت خان کے ساتھ غار میں جا چھپتا، اچانک جنگل کی عجیب کیفیت ہوگئی۔ جیسے کسی کے بھاری بھرکم قدموں سے زمین تھرانے لگی تھی اور آسمان پر پرندوں کے غول نظر آنے لگے۔ یہ دیکھ کر رحمت خان کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کرامت خان نے غار میں سے ہی سرگوشی کی۔

”رحمت خان بھاگو، بھاگو، وہ شیر اسی طرف آ رہا ہے۔“

جواب میں رحمت خان نے بھی اسی طرح سرگوشی میں جواب دیا ”کرامت خان، اب بھاگ کر کوئی فائدہ نہیں میرے بھائی! شیر نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ میں گٹھا پھینک کر تمھارے ساتھ غار میں آ چھپا تو میرے ساتھ ساتھ تم بھی شیر کا نوالہ بن جاؤ گے۔ اچھا... اللہ حافظ! زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔“

اور رحمت خان خاموشی سے اپنی تمام تر قوت کو یکجا کیے دم سادھے اپنی جگہ ساکت کھڑا اللہ کو یاد کرنے لگا۔ شیر اس کے ایک دم قریب آ گیا اور اس کے ارد گرد چکر لگانے کے بعد بالکل سامنے آ گیا اور اپنی دم کو فضا میں اٹھا کر آہستہ آہستہ حرکت دینے لگا۔ کچھ دیر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اچانک وہ انسانوں

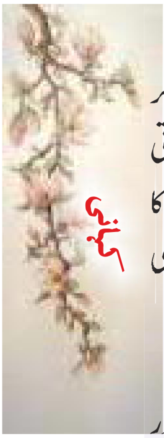

کی طرح گرجدار آواز میں بولا۔

''اے انسان... اچھا ہوا تو مجھے مل گیا۔ مجھے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑی!''

غار میں چھپا کرامت خان اور شیر کے سامنے ڈر کے مارے بھیگی بلی کی طرح تھرتھراتا رحمت خان شیر کو یوں بات کرتا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ یہ سب حقیقت ہے، لیکن پھر بھی انھیں خواب جیسا معلوم ہو رہا تھا۔ رحمت خان نے ایک بار پھر اپنے خوف کو قابو میں کرتے ہوئے بڑی ہمت کر کے لیکن انتہائی ادب کے ساتھ کہا۔

''اے جنگل کے رحمدل بادشاہ! کیسی محنت عالم پناہ ؟ آپ کس محنت کا ذکر کر رہے ہیں، میں سمجھا نہیں ؟''

شیر نے کچھ دیر تک اپنے سر کو ہلایا اور گردن جھٹک کر کہنے لگا:

''کچھ دن سے میرے سر میں شدت کا درد ہو رہا ہے... جنگل کے حکیم بندر کو دکھایا تو اس نے اس درد کا علاج یہ بتایا کہ میں کسی انسان کا بھیجا کھاؤں، تبھی یہ درد ختم ہوگا اور میں دو دنوں سے انسان کی تلاش میں تھا۔ آج تو مجھے مل گیا۔ اب میں تیرا بھیجا کھاؤں گا!''

''ہائے رے میری بدنصیبی...'' رحمت خان نے بناوٹی افسوس دکھاتے ہوئے کہا... ''میں ایک انسان ہوتے ہوئے بھی تمھارے کسی کام نہیں آ پاؤں گا۔ یہ ضرور ہے کہ میں ایک انسان ہوں، لیکن میرے سر میں بھیجا نہیں ہے!''

رحمت خان کی بات سن کر شیر نے زوردار قہقہہ لگایا اور پھر بولا ''تو مجھے بے وقوف سمجھ رہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے سر میں بھیجا نہ ہو؟''

''ہاں جہاں پناہ ہاں... آپ میری بات کا یقین کریں'' رحمت خان نے ادب سے پھر کہا ''اچھا یہ بتائیں، انسان کے بھیجے میں کیا ہوتا ہے؟''

شیر نے اپنی حرکت کرتی دم کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کہا

''بھیجے میں عقل ہوتی ہے''

''ہاں! صحیح بولے مہابلی آپ ایک دم برابر بولے۔ اگر میرے سر میں بھیجا ہوتا تو بھیجے میں عقل ضرور ہوتی، عقل ہوتی تو میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ راستہ شیر کے آنے جانے کا ہے، میں یہاں کیوں آتا؟'' رحمت خان کی بات سن کر شیر بھی سوچ میں پڑ گیا اور خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''ارے ہاں... یہ بات تو بھیجے کی ہے!''

رحمت خان نے جب شیر کو سوچتے دیکھا تو ایک اور ترکیب اس کے دماغ میں آئی، اس نے کہا۔

''یہ دیکھو، جسے عقل تھی وہ تو اپنی لکڑیاں لے کر اس سامنے والی پہاڑی کے راستے سے جا رہا ہے... میرے سر میں بھیجا نہیں ہے، عقل نہیں، اسی لیے تو میں اس راستے سے گزر رہا تھا۔ یہ دیکھو وہ عقلمند یعنی بھیجے والے آدمی نے اپنی کلہاڑی بھی یہیں چھوڑ دی ہے!'' رحمت خان نے کرامت خاں کی کلہاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے شیر سے کہا۔

''کیا وہ بھیجے والا انسان پہاڑی کے راستے سے گزر رہا ہے؟'' شیر اپنے قدموں کو اس مقصد سے پیچھے ہٹانے لگا تاکہ جست لگا کر پہاڑی والے راستے کی جانب دوڑ سکے۔

''ہاں ہاں بادشاہ سلامت، جلدی کریں۔ کہیں وہ بھیجے والا انسان چلا نہ جائے!'' رحمت خان نے کہا۔

شیر پہاڑی والے راستے کی جانب برق رفتاری سے دوڑ پڑا۔ اس طرح رحمت خان نے سمجھداری سے اپنی اور اپنے دوست کرامت خان کی جان بچالی۔

■

Shaikh Husain
Sharyet Manzil
H.No.1-22-91, Darul Qazaat
Aurangabad-431001 (Maharashtra)

حاسد لومڑی

انصار احمد درویش

کہانی

رہتا تھا۔ اس جنگل کے تقریباً سبھی جنگلی جانور اس کے دوست تھے۔ سوائے ایک دو کو چھوڑ کر۔ موگلی سارا دن انھیں جانوروں کے ساتھ گھومتا پھرتا تھا۔ انھیں کی نقلیں کرتا، انھیں کی آوازیں نکالتا، انھیں کی طرح چلتا، انھیں کی طرح کھاتا پیتا تھا۔ غرض یہ کہ موگلی ہر کام انہیں جنگلی جانوروں کی طرح کرتا تھا، یہاں تک کہ موگلی ان کے جذبات کو سمجھتا اور موگلی کے جذبات جنگلی جانور سمجھتے تھے۔ ویسے موگلی سبھی جانوروں کے ساتھ گھومتا پھرتا اور اپنے کھانے کی تلاش کرتا رہتا تھا، لیکن موگلی کی دوستی بھالو سے کچھ زیادہ ہی تھی، جسے ہم یارانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ بھالو بھی موگلی کے بنا بے چین ہو جایا کرتا تھا۔ جبکہ موگلی راتیں بھالو کی کوہ میں ہی گذارتا یعنی اسی کے ساتھ سویا کرتا تھا۔ اس کے باوجود بھی بھالو کو موگلی کی جدائی بے چین کر دیتی تھی۔ یاری ہی کچھ ایسی تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ موگلی کو راستے میں جنگل کا راجا شیر مل گیا۔ شیر نے موگلی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا ”موگلی دوست کہاں گھوم رہے ہو“۔ ”گھومتے گھومتے ادھر آ نکلا تھا۔ اب بھالو دوست کے پاس جا رہا ہوں“۔ موگلی نے جواب دیا۔ ”ارے یار کہاں بھالو کے پاس جا رہے ہو... چلو آج میرے ساتھ شکار کو“۔ شیر نے موگلی کے ہاتھ کو اپنی گردن میں ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی شیر کے ساتھ ہو لیا۔ کافی دیر بعد شیر کو ہرن کا ایک شکار ملا، جسے مار کر شیر نے اپنی بھوک مٹائی۔ بھوک مٹانے کے بعد شیر نے موگلی سے کہا کہ ”دوست موگلی تم تو پھل پھول کھا کر اپنی بھوک مٹا لیتے ہو مگر میری بھوک گوشت کے بنا نہیں مٹتی۔ کیا کروں جنگل کا راجا ہوں مگر نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کرنا پڑتا ہے“۔ یہ بات شیر نے موگلی کو شکار سے بیزار دیکھ کر صفائی دینے کے لیے کہی۔ تبھی سامنے سے بھالو آتا دکھائی دیا۔ بھالو قریب آتے ہی موگلی پر پھٹ پڑا۔ اور بولا کہ ”تم مجھ سے کہہ کر بھی جا سکتے تھے کہ میں شیر کے ساتھ سیر کو جا رہا ہوں۔ تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے کہاں کہاں نہیں تم کو تلاش کیا“... موگلی کچھ جواب میں کہنا چاہتا تھا کہ شیر نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور خود بھالو کے سوالوں کا جواب ایک جملے میں دیا کہ ”بھائی بھالو موگلی نے مجھ سے کہا تھا کہ بھالو دوست کو بتا کر آتا ہوں مگر میں نے ہی اسے اپنے ساتھ لیے رکھا جس سے موقع نہیں ملا تمھیں خبر کرنے کی“۔ شیر کی باتیں سن کر بھالو کی ناراضگی دور ہو گئی۔ پھر موگلی بھالو دوست کے ساتھ دیر تک جنگل کی سیر کرتا رہا۔

جنگل میں ہر طرف پھلدار درختوں کی بھرمار تھی۔ جنگل کے جانور جیسا چاہتے تھے پھل کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ موگلی بھالو دوست کے ساتھ انگوروں کے درخت کے پاس جا پہنچا

کہانی

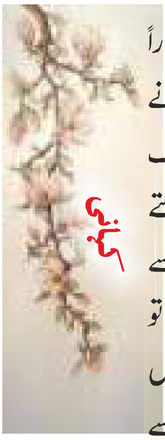

جہاں لومڑی پہلے سے ہی میٹھے انگوروں کا مزہ لے رہی تھی۔ موگلی کو دیکھتے ہی من ہی من خود سے کہا" آ گیا پھلوں کا دشمن، نہ جانے کس جنگلی جانور کی اولاد ہے، دیکھنے میں بھی عجیب لگتا ہے"۔مگر بھالو کو ساتھ دیکھ کر لومڑی اپنے غصے کو ظاہر نہ کر سکی اور دل ہی دل کڑھتی رہی۔اتنی دیر میں موگلی اور بھالو درخت کے قریب پہنچ گئے۔درخت کے قریب پہنچتے ہی موگلی بندر کی طرح گلاٹی مارتے ہوئے درخت پر چڑھ گیا۔اور ایک انگور کا خوشہ توڑ کر لومڑی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا"لومڑی بہن یہ لو میٹھے انگور"۔لومڑی نے ناک بھوں سکوڑتے ہوئے جواب دیا" نہیں چاہیے تمھارے ہاتھوں کے توڑے ہوئے انگور۔تمھارے ہاتھ لگنے سے انگور بے مزہ اور کھٹے ہو جاتے ہیں"۔لومڑی کی برہمی کا خیال نہ کرتے ہوئے بھالو اور موگلی نے ٹھہاکا لگایا۔ دونوں کو ہنستا دیکھ کر لومڑی جل بھن گئی اور وہاں سے چلتی بنی۔

سردی دھیرے دھیرے اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی۔قدرت نے سبھی جانوروں کی کھال موٹی بنائی اور ان پر گھنے بال بھی دیے جس سے سردی میں بھی وہ آسانی سے رہ سکتے ہیں۔لیکن ان جانوروں کے بیچ ایک آدم زاد بھی تھا موگلی، جسے سردی محسوس ہوتی تھی۔ایک مرتبہ صبح کے وقت موگلی اور بھالو اپنی کوہ سے نکلے تو موگلی کو سردی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ موگلی نے بھالو سے کہا کہ اسے سردی لگ رہی ہے تو بھالو دوست نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔موگلی جب تک بھالو کی بانہوں میں رہا سردی سے محفوظ رہا، مگر جیسے ہی موگلی بھالو کی بانہوں سے نکلا، سردی پھر ستانے لگی۔پھر موگلی کو ایک خیال آیا۔اس نے درختوں سے سوکھی لکڑیاں اور سوکھے پتے اکٹھا کیے، اور پتھر سے پتھر ٹکرا کر اس میں آگ لگائی۔آگ جلتے ہی جنگل کے دوسرے جانور جو ادھر ادھر گھوم رہے تھے آگ کے پاس آ کر بیٹھنے لگے۔اتنے میں لومڑی بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ ادھر آ نکلی، مگر موگلی کو دیکھ کر وہ جل بھن گئی۔فوراً لومڑی کے شیطانی دماغ میں ایک خیال گذرا، اور اس نے اپنے ساتھی کے کان میں کچھ کہا۔پھر لومڑی آگے آگے بھاگ رہی تھی اور اس کا ساتھی اسے دوڑائے جا رہا تھا۔بھاگتے بھاگتے لومڑی موگلی کے قریب آئی اور پیچھے سے بہت زور سے اسے دھکا دیا۔بھالو نے اچانک لومڑی کی یہ حرکت دیکھی تو اس نے اپنے دوست موگلی جو لومڑی کے دھکے سے ہوا میں اچھل کر آگ میں گرنے والا تھا، کو اپنے ہاتھوں سے زور سے دھکا دیا جس سے موگلی آگ میں گرنے کے بجائے آگ کے اس پار جا گرا۔موگلی آگ سے تو بچ گیا مگر اسے تھوڑی چوٹ ضرور آئی۔موگلی کو اٹھا کر بھالو اس کی چوٹ کی سہلانے لگا۔ پھر بھالو وہاں سے اٹھ کر لومڑی کے پاس آیا اور سخت لہجے میں سوال کیا کہ"تو نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی ہے نا"۔لومڑی بھالو کے سوال سے گھبرا گئی مگر اس نے بہانہ بناتے ہوئے جواب دیا کہ" ایسی بات نہیں ہے میرا دوست مجھے مارنے کو دوڑا رہا تھا اور میں انجانے میں موگلی سے جا ٹکرائی"۔بھالو کو غصے میں دیکھ کر موگلی نے آواز دی کہ بھالو دوست جانے دو شاید انجانے میں لومڑی مجھ سے ٹکرا گئی ہے۔بھالو نے ایک بار پھر لومڑی کو گھورا اور موگلی کے پاس جا بیٹھا۔

ایک دن لومڑی کھانے کی تلاش میں جنگل کے ایسے حصے کی طرف چلی گئی جہاں خونخوار بھیڑیے رہا کرتے تھے۔ لومڑی کو اس بات کا ذرا بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ جنگل کے اس خطرناک حصے میں داخل ہو گئی ہے۔لومڑی کھانے کی تلاش میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔جنگل کے اس ویران علاقے کو دیکھ کر لومڑی کا دل تھوڑا سہا ضرور تھا لیکن بھوک کی شدت نے اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا اور وہ آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ اچانک اسے اپنی داہنی جانب راستے پر پانچ

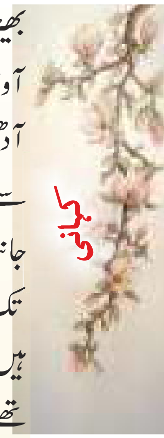

بھیڑیے نظر آئے۔ جو لومڑی کو دیکھ کر غرغر کی مہیب اور ڈراؤنی آوازیں نکال رہے تھے۔ بھیڑیوں کو غصے میں دیکھ کر لومڑی کی آدھی روح فنا ہوگئی۔ اب بھیڑیے لومڑی کو مار ڈالنے کی غرض سے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگے۔ بھیڑیوں کو اپنی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ کر لومڑی حواس باختہ ہوگئی۔ چند لمحے تک اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے پیر زمین میں دھنس گئے ہیں۔ دوسری جانب بھیڑیے اس کی جانب بڑھتے چلے آرہے تھے۔ بھیڑیوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر لومڑی نے اپنے حواس درست کیے اور پوری رفتار کے ساتھ الٹے قدم واپس بھاگنے لگی۔ بھیڑیے جو ابھی تک لومڑی سے کھیل رہے تھے اور دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اب لومڑی کو بھاگتا ہوا دیکھ کر پوری رفتار سے اس کا پیچھا کرنے لگے۔

بھاگتے ہوئے لومڑی بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ ہر لمحہ بھیڑیے اس کے قریب ہوتے جارہے تھے۔ آخری مرتبہ جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے یقین ہوگیا کہ اب زندگی کے چند لمحے ہی اس کے پاس رہ گئے ہیں۔ اس کے باوجود بھی وہ آگے ہی آگے بھاگتی جارہی تھی۔ اسی لمحے اسے اپنے پیچھے آوازوں کا ایک شور سنائی دیا جس میں کچھ اجنبیت تھی اور کچھ مانوسیت بھی۔ اجنبیت بھیڑیوں کی آوازوں سے ظاہر تھی اور مانوسیت میں بھالو اور موگلی کی ملی جلی للکار تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر لومڑی کی آنکھوں میں زندگی کی تمام رمق لوٹ آئی اور وہ دل ہی دل اپنے محسنوں اور مددگاروں کی کامیابی کی دعائیں کرنے لگی۔

بھیڑیوں نے اپنے اور شکار کے درمیان رکاوٹیں دیکھی تو اور زیادہ غضبناک ہو گئے۔ اسی غصے اور غضب میں ان بھیڑیوں نے بھالو اور موگلی کو چیر پھاڑنے کا ارادہ کرلیا۔ مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ بھالو نے اپنے پہلے ہی وار میں ایک بھیڑیے کا پیٹ پھاڑ دیا اور وہ زمین پر تڑپنے لگا۔ دوسری طرف موگلی نے اپنے نکیلے اور پتھریلے ہتھیار سے ایک بھیڑیے کا سینہ چیر دیا۔ باقی کے تین بھیڑیے دائرے میں گھومتے ہوئے کبھی غرغر اور کبھی مہیب آوازیں نکال کر موگلی اور بھالو کو ڈرانا چاہ رہے تھے۔ مگر ان نادان بھیڑیوں کو شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ بھالو اور موگلی بھی اسی جنگل کے باشندے ہیں اور جنگل کے تمام خطرات سے آشنا ہیں۔ اس سے پہلے کہ بھیڑیے دائرے میں گھومتے ہوئے اپنا کوئی داؤں کھیلیں، ایک طرف سے بھالو اور دوسری طرف سے موگلی دونوں ایک ساتھ ان بھیڑیوں پر ٹوٹ پڑے۔ موگلی اور بھالو کے حملے سے ان بھیڑیوں کو کاری ضربیں لگی اور وہ ان کی دسترس سے کچھ دور ہٹ گئے۔ اور وہیں سے غرغر کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بھیڑیوں کو بھاگتا دیکھ کر موگلی نے ایک پتھر اٹھایا اور تاک کر ایک بھیڑیے کو دے مارا۔ پتھر بھیڑیے کی پیٹھ پر لگا، جس سے بھیڑیے اور تیز رفتار سے بھاگتے ہوئے جنگل میں روپوش ہوگئے۔

لومڑی دوڑ کر بھالو کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگنے لگی۔ بھالو نے لومڑی کو اٹھایا اور کہا کہ ”معافی مجھ سے نہیں موگلی سے مانگو کہ اتفاق سے وہ مجھے ادھر لے آیا اور تم ایک بڑی مصیبت سے بچ گئی“۔ لومڑی آنکھوں میں آنسو لیے موگلی کے قدموں میں گرنے لگی تو موگلی نے اسے قدموں میں گرنے سے پہلے سینے سے لگا لیا۔ لومڑی موگلی کے سینے سے لگ کر رو رہی تھی اور اس کے آنسوؤں سے موگلی کا شانہ تر ہو رہا تھا۔

■

Dr. Ansar Ahmad Durvesh
A39/305 A-4 Lat Bhairo Saraiyan
Varanasi-221001(UP)
Mob.: 7989871136

جنّو میاں کی شرارت

اسید اشہر

چھ سال کے جنّو میاں بڑے شرارتی تھے۔ نام تو ان کا جنید تھا مگر وہ جنّو ہی مشہور ہو گئے۔ ان کی عمر اور ان کی روزانہ کی شرارتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ جب بھی کوئی شرارت کرتے، ہر دفعہ پکڑے جاتے۔ لیکن ان کی معصوم صورت دیکھ کر کوئی انھیں کیا ہی سزا دیتا۔ آپ بھی ان کی کسی شرارت کا شکار بنیں گے تو کچھ دیر کے لیے جھنجھلائیں گے ضرور، لیکن ان کی معصوم اور موہنی صورت دیکھ کر سزا دینے کا خیال ذہن سے نکال دیں گے۔ گول مٹول چہرہ، سر پر ہلکے کالے بال، چوڑی پیشانی، گبوں گبوں گلابی گال، ستواں ناک اور گہرے گلابی رنگ کے ہونٹ۔ وہ بات کرتے تو پیشانی پر ہلکی سی شکنیں اُبھر آتیں۔ ان کی باتیں بھی انھی کی طرح معصوم ہوتیں۔ سننے والا چاہتا کہ وہ بس بولتے رہیں۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ان کی طرح ان کی شرارتیں بھی معصوم اور بے ضرر ہی ہوتی تھیں۔ یوں سمجھیے کہ انھیں اپنے آس پاس موجود لوگوں کو چھیڑنے میں مزہ آتا تھا۔ کبھی وہ اپنے والد کا چشمہ میز سے اٹھا کر الماری میں رکھ دیتے تو کبھی دادی کا پاندان یا دوائیاں ان کے کمرے سے غائب کر کے کچن میں رکھ آتے۔ کبھی وہ اپنے بڑے بھائی بہنوں کی بیاضیں چھپا دیتے۔ اگر گھر میں کوئی چیز غائب ہوتی تو اس کا الزام جنو میاں پر دھر دیا جاتا اور غائب شدہ چیز کی تلاش شروع ہو جاتی۔ دھیرے دھیرے ان کی شرارتوں سے معمولی نقصان بھی ہونے لگا۔ ان حرکتوں پر والد کی طرف سے ان کی سرزنش کی جاتی لیکن وہ باز نہیں آتے۔ امی کو بھی ان کی بڑھتی شرارتوں پر تشویش تھی۔

ایک دن وہ گھر والوں کی نظر بچا کر باہر نکلے۔ نظر بچا کر اس لیے کہ گھر والے انھیں اکیلے کہیں جانے نہیں دیتے تھے۔ جنو میاں نے دیکھا کہ گلی میں سناٹا ہے۔ دور دور تک کوئی آدمی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد پڑوسی غفور انکل کے گھر کے ٹھیک سامنے ایک سفید کار آ کر رکی۔ کار سے کچھ لوگ جلدی جلدی اترے۔ جنو میاں نے ان لوگوں کو اور کار کو محلّہ میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ کار کیا تھی، ماچس کی ڈبیا کہہ لو۔ چوکور سی اور کافی اونچی بھی۔ جنو میاں کو پتہ تھا کہ غفور انکل کے پاس کالے رنگ کی کار ہے جو لمبی ہے لیکن اس کی اونچائی کم ہے۔ انھیں یاد آیا کہ غفور انکل اپنے قریبی رشتے دار کی شادی میں شرکت کے لیے شہر سے باہر گئے ہیں۔ یہ بات کل ہی ان کے چھوٹے لڑکے نعمان نے جنو میاں کو بتائی تھی۔ نعمان چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ جبکہ

جنو میاں پہلی جماعت کے طالب علم تھے۔نعمان اور جنو میاں ساتھ اسکول جاتے اور ساتھ گھر لوٹتے تھے۔

جنو میاں سوچنے لگے، شاید غفور انکل نے نئی کار خریدی ہے اور انھیں ایک شرارت سوجھی۔جنو میاں نے اطراف میں نظریں دوڑائیں۔آس پاس کوئی نہ تھا۔مارچ کا مہینہ تھا اور دوپہر کا وقت۔گرمی کی شدت سے پریشان لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے۔جنو میاں دبے پاؤں چلتے ہوئے سفید کار کے پاس پہنچے۔کار پرانی تھی اور اس پر دھول جمی ہوئی تھی۔جنو میاں کار کے ٹائر پر جھکے۔اور اپنی جیب سے ایک نوکدار کیل نکال کر اپنی پوری قوت سے ٹائر میں گھسا دی۔پہلی دفعہ کچھ نہیں ہوا تو جنو میاں نے دوبارہ اپنی پوری قوت لگا کر یہ عمل کیا۔اب ٹائر میں سوراخ ہو گیا تھا اور ہوا لیک ہونے لگی۔انھوں نے کار کے چاروں ٹائر کے ساتھ یہی کیا۔آج صبح ہی انھیں یہ کیلیں ڈرائنگ روم کے صوفے کے نیچے ملی تھیں اور انھوں نے کیلیں اٹھا کر اپنی جیب میں یہ سوچ کر رکھ لی تھیں کہ کسی اور جگہ پر رکھ دیں گے۔انھوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی کار کے ٹائر پنکچر کرنے کے لیے ان کا استعمال کریں گے۔بہر حال، کام ختم کر کے وہ شان سے اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔

کچھ دیر بعد جنو میاں کے والد کسی کام سے باہر آئے تو انھوں نے سنسان سڑک پر کچھ افراد کو دیکھا جو ایک سفید کار کے پاس کھڑے تھے۔وہ پریشان لگ رہے تھے۔ان کے گلے میں کالا کپڑا لٹک رہا تھا جس سے غالباً وہ اپنا چہرہ ڈھانپتے ہوں گے۔ان کی کار کے چاروں ٹائر کی ہوا نکل چکی تھی اور وہ ناکارہ ہو چکے تھے۔ان کی کار پر نمبر پلیٹ نہیں تھی۔یہ دیکھ جنو میاں کے والد خالد صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔وہ جلدی جلدی اپنے موبائل پر کسی کا نمبر ملانے لگے۔

گھر لوٹ آنے کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد جنو میاں کو گھر کے باہر شور کی آوازیں آنے لگیں۔اور ایمبولنس کا سائرن بھی سنائی دیا۔انھوں نے باہر آ کر دیکھا تو وہ پولیس وین کا سائرن تھا۔انھیں پولیس کی وردی میں ملبوس لوگ دکھائی دیے۔ان کے والد اور محلے کے کچھ افراد بھی وہاں کھڑے تھے۔انھیں سفید کار والے لوگوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دکھائی دیں۔وہ حیران و پریشان پولیس وین میں بیٹھے تھے۔جنو میاں اپنے والد کے پیروں سے چمٹ گئے۔ان کے والد چوروں کا ذکر کر رہے تھے۔

”...مجھے شک ہوا اور میں نے اپنے دوست اور قریبی تھانے کے انسپکٹر رمیش کو کال ملایا۔وہ فوراً آ پہنچے اور ان چوروں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ان کے پاس سے غفور بھائی کے گھر کے زیورات اور دیگر قیمتی چیزیں برآمد ہوئیں۔“

”آپ کی ہوشیاری اور ہوش مندی سے چور پکڑے گئے۔“ محلے کے افراد خالد صاحب کی تعریف کرنے لگے۔

جنو میاں ڈرنے لگے کہ آج ابو خوب ڈانٹیں گے۔میری شرارت کی وجہ سے چور انکل پکڑے گئے۔انھوں نے ڈرتے ڈرتے پورا قصہ والد کو سنایا۔ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔خالد صاحب ہنس دیے۔انھوں نے انسپکٹر رمیش کو آواز دے کر بلایا اور ساری بات کہہ سنائی۔

انسپکٹر رمیش جنو میاں کی شرارت سے بہت خوش ہوئے اور جنو میاں کے لیے ڈھیر ساری ٹافیاں لانے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔

■

Usaid Ashhar
109, Aqsa Nagar, Mehrun, Jalgaon
Dist. Jalgaon-425001 (Maharashtra)
Mob.: 9766222406

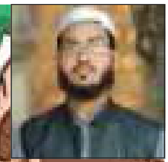

مفتی محمد الیاس ندوی

اصلی وفادار دوست

آج صبح سے شام تک صابر وقفے وقفے سے اپنے درجے کے ایک ساتھی کو دیکھتا رہا کہ وہ کچھ اداس اور افسردہ نظر آرہا ہے، حالانکہ صابر کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ یحییٰ ہے، جو کہ درجے میں سب سے زیادہ ہنس مکھ اور مزاحیہ مزاج کا طالب علم ہے، اور نہ صرف ہمیشہ خوش وخرم رہنے والا بلکہ دوسروں کو ہنسانے والا ہے، اور ان کے بگڑے ہوئے موڈ کو اپنے چٹ پٹے چٹکلوں، قصے کہانیوں اور مزے دار باتوں سے اچھا بنانے کے لیے مشہور ہے۔

لیکن آج وہی یحییٰ بالکل خاموش بیٹھا ہے، اور پریشان دکھائی دے رہا ہے، صابر کے ذہن میں الگ الگ طرح کی باتیں آتی رہیں، اور وہ سوچتا رہا کہ ہوسکتا ہے اس وجہ سے یحییٰ پریشان اور افسردہ ہوگا، لیکن صابر کے ذہن میں آنے والی تمام باتیں اور وجہیں یحییٰ کے ہنس مکھ اور مزاحیہ مزاج کے آگے بیکار معلوم ہوتی رہیں، آخر کار صابر نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ چھٹی کے وقت خود یحییٰ ہی سے خیر خبر معلوم کرلی جائے، تاکہ حقیقت معلوم ہوجائے اور اگر میرے لیے ممکن ہوتو میں اس کی اداسی اور پریشانی بھی دور کردوں، اسی بہانے ایک نیک کام بھی ہوجائے گا۔

چھٹی کے وقت صابر نے یحییٰ کو آواز دی ''ارے بھائی سنو ذرا۔''

''میں، مجھے آواز دے رہے ہو؟'' یحییٰ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پوچھا۔

''ہاں، ہاں میں تمہی کو بلا رہا ہوں'' صابر نے قریب آتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں کہو کیا بات ہے؟'' یحییٰ نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

صابر: آج میں دیکھ رہا ہوں کہ تم صبح سے بالکل خاموش بیٹھے ہو، بہت اداس اور مضمحل نظر آرہے ہو، ایسا لگتا ہے کہ کافی پریشان ہو، کہو کیا بات ہے؟ کیا میں تمھاری کوئی مدد کرسکتا ہوں؟

یحییٰ نے کہا: بات دراصل یہ ہے کہ جب سے امتحان کا

اعلان ہوا ہے تب سے میں پریشان ہوں۔

صابر: اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟

یحییٰ: تم تو جانتے ہی ہو کہ میں پڑھائی میں بہت کمزور ہوں، لیکن اس بات کا احساس آج اچھی طرح ہو رہا ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے میں ہمیشہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق، کھیل کود میں لگا رہتا تھا، مجھے یقین تھا کہ میرے تو اتنے سارے دوست ہیں مجھے کس بات کی فکر، یہ تو ہمیشہ میرے ساتھ رہتے ہی ہیں، امتحان کے موقعے پر بھی میرے ساتھ رہیں گے، اور امتحان کی تیاری میں میری پوری مدد کریں گے، ہم سب ساتھ مل کر تیاری کریں گے، لیکن آج میرے تمام دوستوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، میں نے ان سے کہا کہ امتحان کی تیاری کرا دو تو سب نے انکار کر دیا، آج جب کہ مجھے ان کی مدد کی ضرورت ہے انھوں نے میرے ساتھ بیوفائی کی اور میرا ساتھ چھوڑ دیا، اسی وجہ سے میں بہت پریشان اور اداس ہوں۔

صابر: بس اتنی سی بات ہے؟ اس کا حل تو...

یحییٰ نے اسے ٹوکا: نہیں صرف اتنی سی بات نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، ہم لوگ پہلے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے، میرے ابو کسان ہیں اور دوسروں کی زمینوں میں کسانی کرتے تھے، اور میری ماں اپنے گھر کے کام کاج کے ساتھ دوسروں کے گھروں میں بھی کام کرتی تھی، بڑی مشکل سے ہمارے گھر کا خرچہ پورا ہوتا تھا، پچھلے سال ہمارے گاؤں میں شہر کے ایک بہت پڑھے لکھے صاحب آئے تھے تبھی میرے ابا کی ان سے ملاقات ہوگئی، انھوں نے نہ جانے کیا جادو کر دیا کہ بس میرے ابا گھر میں آکر ماں سے کہنے لگے ''اب ہم لوگ شہر جائیں گے، شہر میں یحییٰ کو اچھی سے اچھی تعلیم دلائیں گے تاکہ وہ بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر سکے، اور کوئی بہترین نوکری یا کام

کر سکے، تاکہ ہماری یہ غریبی دور ہو سکے اور ہم لوگ بھی عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے'' یحییٰ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: حالانکہ میں وہاں بھی ایک اسکول میں پڑھتا تھا، لیکن وہاں پڑھائی کا کوئی خاص نظام نہیں تھا، نہ اساتذہ پابندی سے پڑھانے آتے تھے اور نہ بچے اچھے سے پڑھتے تھے، اس لیے میرے والد نے یہ فیصلہ کر لیا کہ میری پڑھائی کے لیے وہ شہر میں آکر رہیں گے، اور اس لیے انھوں نے گاؤں چھوڑ دیا، شہر میں آکر بسنے کے لیے ہمارے پاس روپے پیسے بھی نہیں تھے، اس لیے میرے والد نے لوگوں سے قرضے مانگے لیکن غریب کو کون قرض دیتا ہے، کسی نے قرض نہیں دیا مجبور ہو کر میرے ابا نے ہمارا گھر گروی رکھ کر ایک زمیندار سے قرض لیا، اور پھر ہم اس شہر میں آکر رہنے لگے، یہاں کے حالات سے ناواقفیت اور کسی سے جان پہچان نہ ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے میرا اس اسکول میں داخلہ ہوا، اپنے کسی جگری دوست سے بھی آج تک میں نے یہ نہیں بتایا کہ میرے ابا

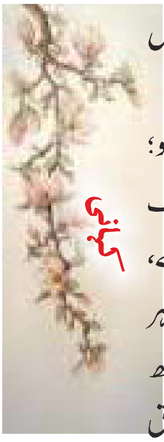

رکشہ چلاتے ہیں اور میری ماں آج بھی دوسروں کے گھروں میں کام کرتی ہے، اور میرے ابا بہت مشکل سے اسکول کی فیس بھرتے ہیں، چاہے گھر میں کھانا اور راشن نہ ہو، دوا علاج کے پیسے نہ ہوں، لیکن میری اسکول کی فیس ٹائم پر بھرتے ہیں، تا کہ میری تعلیم میں رکاوٹ نہ ہو، آج میں ان تمام باتوں کو سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں، کہ اگر میں اس امتحان میں فیل ہو گیا تو ہمارے گھر والوں پر کیا گزرے گی، ماں باپ کی قربانیوں اور تکلیفوں پر پانی پھر جائے گا، میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ ان کی امیدیں اور تمنائیں اور میرے پڑھ لکھ کر لائق فائق بننے کے خواب سب فنا ہو جائیں گے، ان پر کیا بیتے گی جب انھیں معلوم ہوگا کہ میں نے یہاں کچھ پڑھا ہی نہیں صرف کھیل تماشے کرتا رہا ہوں، میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں۔

یحییٰ کی داستان سن کر صابر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے دوسری طرف چہرہ گھما کر آنسو پوچھے اور کہا: دیکھو اب بھی موقع ہے اس لیے کہ ابھی امتحان میں ایک مہینہ باقی ہے، اور تمہاری پریشانی کا میرے پاس بہت آسان حل ہے، وہ یہ کہ تم میرے دوستوں سے دوستی کر لو وہ کبھی بے وفائی نہیں کرتے، وہ بہت وفادار اور ہمیشہ ساتھ دینے والے ہیں، وہ ہمیشہ فائدہ پہنچاتے ہیں، اور ابھی اس مصیبت میں بھی تمھارا ساتھ دیں گے، اور آئندہ بھی ہر وقت تمھاری مدد کے لیے تیار رہیں گے، اور صرف اس امتحان میں ہی نہیں بلکہ ہمیشہ تمھاری کامیابی اور ترقی کے لیے راہیں ہموار کریں گے، زندگی کے جس میدان میں تم ترقی کرنا چاہو گے تمھارا مکمل تعاون کریں گے۔

یحییٰ نے خوش ہو کر کہا: ہاں ہاں میں تمھارے دوستوں سے ضرور دوستی کروں گا، اور ابھی کروں گا، کہاں ہیں تمھارے دوست میری ملاقات کراؤ اپنے دوستوں سے۔

صابر نے کہا: میرے دوستوں سے ملنے کے لیے تمھیں میرے گھر چلنا ہوگا وہ وہیں ملیں گے۔

یحییٰ نے جلدی سے کہا: تو انتظار کس بات کا؟ چلو؛ دونوں چل پڑے، صابر اپنے گھر پہنچ کر یحییٰ کو ایک صاف ستھرے کمرے میں لے آیا، اور کہا کہ ملو میرے دوستوں سے، یحییٰ نے دیکھا کہ کمرے میں کوئی بھی نہیں ہے، یہاں تو ہر طرف کتابیں ہی کتابیں ہیں، اس نے کہا: کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟ صابر نے کہا: ہرگز نہیں، میں تم سے مذاق نہیں کر رہا، بات دراصل یہ ہے کہ یہ کتابیں جو تم دیکھ رہے ہو یہی میرے دوست ہیں، اور میں اپنا زیادہ تر وقت انھی کے ساتھ گزارتا ہوں، اور میرا دعویٰ ہے کہ دوستوں کے اندر جتنے اچھے اوصاف، کمالات ہونے چاہیے وہ سب ان میں پوری طرح موجود ہیں۔ یحییٰ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا: تمھاری بات بالکل درست ہے آج سے میں بھی کتابوں کو اپنا دوست بناؤں گا، ان کے پڑھنے، سمجھنے اور مطالعہ کرنے میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کروں گا، اور پھر مجھے کبھی کسی امتحان کے موقع پر پریشانی اور مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس لیے کہ حقیقت میں یہی کتابیں ہمیں اسکول کے امتحان کے ساتھ ساتھ زندگی کے بھی ہر امتحان میں کامیابی و کامرانی دلانے والی ہیں، اور جن لوگوں نے بھی دنیا میں کوئی بڑا کام کیا ہے، عزت و نیک نامی حاصل کی ہے وہ انھی کتابوں کو پڑھ کر اعلیٰ مقام پر پہنچے ہیں، اس لیے میں بھی آج سے محنت کروں گا، خوب پڑھوں اور لکھوں گا تا کہ میں بھی ایک عظیم انسان بن سکوں۔

■

Mufti Muhammad Elyas Nadwi
Imam Bilali Masjid,
Mankhurd Mumbai- 400088 (Maharashtra)
Mob.: 8433783347

کہانی

سید اسد تابش

آدابِ فرزندی

پنچایت بیٹھی تھی۔ سید شجاعت نے اپنے بیٹے سید سعادت کو وراثت سے بے دخل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حاجی صاحب تھے، متولی صاحب تھے ٹھاکر صاحب، وکیل صاحب اور سرپنچ صاحب بھی تھے۔ سید شجاعت غصے کے بہت تیز آدمی تھے، اس لیے ان کے سامنے کوئی زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ بڑے سے مکان کے باہر چبوترا بنا ہوا تھا، جس پر سید شجاعت بیٹھے کہہ رہے تھے۔

’’سنیے! میری زمین جائداد، گھر اور مویشی میری حیات میں مَیں جسے چاہوں دوں، جسے چاہے نہ دوں...‘‘

آپ گاؤں کے معزز حضرات ہیں، آپ آئے ہیں تو چائے ناشتہ کیجیے اور تشریف لے جائیے... واللہ میرے بیچ میں کوئی کچھ نہ بولے... میں نے سید سعادت کو آج سے اپنی جائداد اور گھر سے بے دخل کیا۔

سید شجاعت نے فیصلہ سنایا تو گویا مجمع کو سانپ سونگھ گیا، کیونکہ گاؤں کے لوگ جانتے تھے سید شجاعت کسی کی نہیں سنیں گے۔ گاؤں کے لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ زمین جائداد اور گھر بار میں سید سعادت کا آدھا حصہ ہے۔ سید سعادت کی سخت محنت اور ایمانداری کے سبب ہی سید شجاعت نے یہ سب کچھ حاصل کیا تھا اور سب سے اہم بات تو یہ کہ سید سعادت، سید شجاعت کی پہلی بیوی کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کا پورا حق تھا، مگر دین و دنیا کی سمجھ ہو تو آدمی سمجھے اور سمجھائے۔

لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔

سید سعادت بیوی بچوں کو لے کر کہاں جائے گا؟

اس نے باپ کے بیوپار میں سے کچھ الگ بھی تو رکھا نہیں... جو کمایا سب باپ کے پاس دیتا رہا۔ دوسری بیوی سے جو بھائی تھے سب نے اپنے اپنے گھر کاروبار کر لیے۔

ایک شرابی جسے سب ماموں کہتے تھے، وہاں سے گزر رہا تھا... لوگوں کو دیکھا تو رک گیا۔

کہا...

"ارے تجھے کچھ نہیں ملا سعادت...‘‘

’’سب تیری سوتیلی ماں کا سلوک ہے۔ تو سوچ رہا تھا نا، یہ گاؤں کے قریب کا چار ہیکٹر کھیت تجھے ملے۔ کل ہی اس کا

سودا ہوگیا۔‘‘

لوگ ایک شرابی کے منھ سے اندر کی بات سن کر ہکا بکا رہ گئے۔

اب تو لوگ سید شجاعت کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے مگر اس سے پہلے ہی سید شجاعت نے لاٹھی اٹھائی اور دوڑے ماموں کے پیچھے... وہ تو ماموں کی تقدیر اچھی تھی کہ تبھی بجلی چلی گئی اور وہ ایک گلی میں گھس گیا۔

سید شجاعت واپس آئے، اپنی سانسوں کو ٹھیک کیا، دو گھونٹ پانی پیا اور کہا۔

دیکھیے حضرات، میں آپ سب کا مان رکھتے ہوئے میری جائداد میں سے تین ہزار روپے اسے دے رہا ہوں۔

تین ہزار......!

سرپنچ صاحب نے حیرت سے کہا۔

ہاں تین ہزار...

سید شجاعت نے ڈھٹائی سے دہرایا۔

مگر سید صاحب یہ تو آپ کی جائداد کا سواں حصہ بھی نہیں اور پھر سید سعادت تو آپ کی پہلی بیوی سے اکلوتا بیٹا...

سرپنچ صاحب کے ساتھ دیگر ذمے دار بھی کھڑے ہو گئے۔

سرپنچ صاحب نے آگے کہا۔

ہم یہ حق تلفی نہیں ہونے دیں گے۔

اگر سید سعادت کورٹ میں گئے تو دیگر اولاد کے ساتھ انھیں بھی حصہ ملے گا۔

سید شجاعت تو ہر وقت آگ کی طرح گرم رہتے تھے، کہنے لگے۔

تو جائیے کورٹ، کس نے روکا ہے۔

سرپنچ صاحب نے وکیل صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وکیل صاحب بتائیے انھیں۔

وکیل صاحب گویا ہوئے:

میرے وکالت نامے پر سید سعادت ایک دستخط کردے تو آدھی جائداد اسے دلا سکتا ہوں۔

سب کی نظریں سید سعادت کی طرف اٹھ گئیں جو بت بنے کھڑے تھے۔

سرپنچ صاحب نے ہاتھ سے پکڑ کر بڑے ہی دلار سے انھیں سامنے آنے کو کہا۔

لو بیٹا دستخط کرو، ہم سب تمھارے ساتھ ہیں۔

سید سعادت کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ آس پاس قندیل کی دھیمی سی روشنی تھی۔ وکالت نامہ سامنے تھا۔

قلم وکیل صاحب نے دی۔

سید سعادت کی پشت کی جانب سید شجاعت بیٹھے تھے، ہاتھ میں لٹھ بھنویں تنی ہوئیں اور چہرہ قہر آلود۔

سید سعادت نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

بعد میں لوگوں کی طرف دیکھا اور قلم وکیل صاحب کو واپس دیتے ہوئے کہا۔

میں اپنے باپ سے لڑنا نہیں چاہتا۔

بھلے ہی مجھے پھوٹی کوڑی نہ ملے، پر میں اپنے والد کو کورٹ میں نہیں کھینچنا چاہتا... میں اپنے والد پر مقدمہ نہیں کروں گا۔

کہتے ہوئے سید سعادت گھربار چھوڑ کر چلے گئے۔ لوگ سوچتے ہی رہ گئے۔

(تعارف ستمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Syed Asad Tabish
Karamat Khan Colony
Barsi Takli
Distt.: Akola- 444401 (Maharashtra)
Mob.: 8421427654

احفاظ الحق انصاری

ٹیسٹ کرکٹ میں پہلی مرتبہ ہونے والے واقعات

پیارے بچو! کرکٹ کا کھیل آج ہمارے ملک میں مذہب کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کرکٹ کی بے انتہا مقبولیت کی وجہ سے ہم اپنے قومی کھیل 'ہاکی' کو بالکل ہی بھلا چکے ہیں۔ پچھلے 75 سالوں میں ہم نے ہاکی میں آٹھ اولمپک گولڈ میڈل اور ایک بار ہاکی کا عالمی کپ بھی جیتا ہے۔ لیکن 1983 میں کرکٹ کے ایک روزہ بین الاقوامی عالمی کپ میں ہماری خطابی جیت نے ہمارے ملک میں رہے سہے ہاکی کے معیار کو خاک میں ملا دیا۔ کرکٹ تین فارمیٹ میں کھیلا جاتا ہے۔ پہلا فارمیٹ 5 دنوں تک کھیلا جانے والا ٹیسٹ کرکٹ ہے، جس کا آغاز 1877 کے آخر میں ہوا۔ 1971 میں، دوسرا فارمیٹ، ایک روزہ بین الاقوامی اور تیسرا فارمیٹ ٹوئنٹی 20 بین الاقوامی 2005 میں متعارف کرایا گیا تھا۔

خیال کیا جاتا ہے کہ کرکٹ کا آغاز ممکنہ طور پر 16 ویں صدی میں ہوا تھا۔ مختلف ذرائع سے کرکٹ کی پہلی مثال 1550 کے آس پاس انگلینڈ کے ایک مخصوص ضلع سرے میں درج کی گئی تھی۔ پھر 17 ویں اور 18 ویں صدی کے دوران اس کھیل نے انگلینڈ میں آہستہ آہستہ مقبولیت حاصل کی اور وہاں کا قومی کھیل بن گیا۔ آیئے ان تمام اہم واقعات اور ریکارڈ پر ایک مختصر نظر ڈالتے ہیں جو ٹیسٹ کرکٹ میں پہلی بار رونما ہوئے۔

ٹیموں کے ریکارڈ

کرکٹ کی تاریخ میں پہلا ٹیسٹ میچ 15-19 مارچ 1877 کو آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان میلبورن، آسٹریلیا میں کھیلا گیا تھا۔ اس ٹیسٹ میں پہلا ٹاس آسٹریلیا کے کپتان ڈیو گریگری نے جیتا اور بلے بازی کرنے کا فیصلہ کیا۔ رچرڈ ٹیری اور کرٹس ریڈ نے دو امپائروں کا کردار ادا کیا تھا۔ اسی

دن آسٹریلیا کے ڈیو گریگری اور نیڈ گریگری دو بھائیوں کی ایسی پہلی جوڑی بنی جنھوں نے ایک ہی ٹیسٹ میں ایک ہی ملک کی نمائندگی کی تھی۔ اس افتتاحی ٹیسٹ میں آسٹریلیا نے انگلینڈ کو 45 رنوں سے شکست دے کر ٹیسٹ کرکٹ کی پہلی جیت درج کی تھی۔ 1877 سے 1889 تک ایک اوور 4 گیندوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا، اگلے 10 سالوں میں گیندوں کی تعداد 5 کر دی گئی پھر ایک لمبے عرصے تک ٹیسٹ کرکٹ کھیلنے والے سبھی ممالک نے 6 گیندوں کے اوور کا استعمال کیا۔ درمیان میں کچھ ممالک نے مختصر وقت کے لیے 8 گیندوں کے اوور کو بھی اپنایا، لیکن 1980 کے آس پاس کرکٹ کے معاملات کی ہیئت حاکمہ، انٹرنیشنل کرکٹ کاؤنسل کے ذریعے ایک اوور میں گیندوں کی تعداد باضابطہ 6 فکس کر دی گئی جو آج تک برقرار ہے۔

ٹیسٹ کرکٹ میں 10 وکٹوں سے پہلی جیت آسٹریلیا نے انگلینڈ کے خلاف میلبورن، 1879 میں درج کی تھی۔ ایک انگ سے پہلی جیت انگلینڈ نے 1883 میں میلبورن میں آسٹریلیا کو ہرا کر حاصل کی تھی۔ پہلی گھریلو سیریز آسٹریلیا نے 82-1881 میں انگلینڈ کو چار ٹیسٹ میچوں کی سیریز میں 0-2 سے شکست دے کر جیتی۔ اسی طرح ملک سے باہر پہلی سیریز انگلینڈ نے 83-1882 میں تین ٹیسٹ میچوں کی سیریز میں آسٹریلیا کو 1-2 سے ہرا کر جیتی تھی۔ پہلا کرکٹ ٹیسٹ جو برابری پر ختم ہوا، وہ 1889 میں انگلینڈ اور جنوبی افریقہ کے درمیان ڈربن میں کھیلا گیا تھا۔ انگلینڈ ٹیسٹ کرکٹ کی پہلی ٹیم تھی جس نے 95-1894 میں آسٹریلیا کے خلاف فالو آن کا سامنا کرنا پڑا، جیت حاصل کی اور فالو آن ہونے کے باوجود ٹیسٹ جیتنے والی پہلی ٹیم بنی۔ کرکٹ کی تاریخ میں 1960 میں پہلی بار آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان برسبین میں کھیلا گیا ٹیسٹ ٹائی ہوا تھا۔

بلے بازی کے ریکارڈ

15 مارچ 1877 کو ٹیسٹ کرکٹ کی تاریخ میں آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان کھیلے گئے پہلے میچ میں چارلس بینرمین آسٹریلیا نے پہلی گیند کا سامنا کیا، پہلا رن بنایا، ساتھ ہی پہلا چوکا بھی لگایا۔ ٹیسٹ کرکٹ میں پہلا چھکا آسٹریلیا کے جو ڈارلنگ نے 14 جنوری 1898 کو ایڈیلیڈ میں انگلینڈ کے خلاف مارا تھا۔ ٹیسٹ کرکٹ میں پہلی نصف سنچری اور پہلی سنچری چارلس بینرمین آسٹریلیا نے 15 مارچ 1877 کو میلبورن میں انگلینڈ کے خلاف بنائی تھی۔ اسی سنچری کی بدولت چارلس بینرمین کسی بھی ملک کے افتتاحی ٹیسٹ میں کھیلتے ہوئے سنچری بنانے والے پہلے کھلاڑی بنے۔ ٹیسٹ کرکٹ میں پہلا 150 رن چارلس بینرمین نے 16 مارچ 1877 کو انگلینڈ کے خلاف بنائے تھے۔ ٹیسٹ کرکٹ میں پہلی ڈبل سنچری کا کارنامہ بلی مرڈوک (آسٹریلیا) نے 12 اگست 1884 کو اوول میں انگلینڈ کے خلاف کھیل کر انجام دیا تھا۔ ٹیسٹ کرکٹ میں پہلے 250 رن ٹپ فوسٹر (انگلینڈ) نے 14 دسمبر 1903 کو سڈنی میں آسٹریلیا کے خلاف بنائے۔ ساتھ ہی پہلی ٹرپل سنچری اینڈی سینڈھم (انگلینڈ) نے 4 اپریل 1930 کو کنگسٹن میں ویسٹ انڈیز کے خلاف بنائی تھی۔ پہلا 350 رن کا اسکور سر لین ہٹن (انگلینڈ) نے 23 اگست 1938 کو اوول میں آسٹریلیا کے خلاف بنایا تھا۔ پہلی چوگنی سنچری کا کارنامہ برائن لارا (ویسٹ انڈیز) نے 12 اپریل 2004 کو سینٹ جانز میں انگلینڈ کے خلاف کھیل کر انجام دیا تھا۔

لارینس رو (ویسٹ انڈیز) نے 16 فروری 1972 کو کنگسٹن میں نیوزی لینڈ کے خلاف اپنے پہلے ہی ٹیسٹ کی دونوں انگ میں سنچری بنانے کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ اسی طرح

رکی پونٹنگ (آسٹریلیا) واحد کرکٹر ہیں جنھیں 2 جنوری 2006 کو سڈنی میں اپنے 100 ویں ٹیسٹ کی دونوں اننگ میں سنچریاں بنانے کا اعزاز حاصل ہے۔ کولن کاؤڈرے (انگلینڈ) 11 جولائی 1968 کو سڈنی میں آسٹریلیا کے خلاف اپنے 100 ویں ٹیسٹ میں سنچری بنانے والے پہلے کھلاڑی بنے تھے۔ اسی طرح جو روٹ (انگلینڈ) نے فروری 2021 کو ہندوستان کے خلاف چنئی میں اپنا 100 واں ٹیسٹ کھیلتے ہوئے ڈبل سنچری بنانے کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ جاوید میاں داد (پاکستان) نے لاہور میں 9 اکتوبر 1976 کو نیوزی لینڈ کے خلاف اپنے پہلے ٹیسٹ میں اور لاہور میں ہی 1 دسمبر 1989 کو ہندوستان کے خلاف اپنے 100 ویں ٹیسٹ میں سنچریاں بنانے کا منفرد کارنامہ انجام دیا تھا۔ نسیم الغنی (پاکستان) 22 جون 1962 کو لارڈس میں انگلینڈ کے خلاف Night watchman کی حیثیت سے سنچری بنانے والے پہلے کھلاڑی تھے۔ محمد اظہرالدین (بھارت) نے 31 دسمبر 1984 کو کلکتہ میں انگلینڈ کے خلاف اپنا پہلا ٹیسٹ کھیلا اور اسی 3 میچوں کی سیریز میں یکے بعد دیگرے 3 سنچریاں بنانے والے پہلے اور واحد کھلاڑی ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ نیڈ گریگری (آسٹریلیا) 15 مارچ 1877 کو میلبورن میں انگلینڈ کے خلاف صفر پر آؤٹ ہونے والے پہلے کھلاڑی بنے۔ اسی طرح فریڈ گریس (انگلینڈ) 6 ستمبر 1880 کو لندن میں آسٹریلیا کے خلاف دونوں اننگ میں صفر پر آؤٹ ہونے والے پہلے کھلاڑی تھے۔

گیند بازی کے ریکارڈ

15 مارچ 1877 کو آسٹریلیا اور انگلینڈ کے درمیان کھیلے گئے پہلے افتتاحی ٹیسٹ میں پہلی گیند الفریڈ شا (انگلینڈ) نے پھینکی۔ الفریڈ شا نے ہی ٹیسٹ کرکٹ کا پہلا وائڈ بال اسی میچ میں پھینکا تھا۔ پہلی وکٹ ایلن ہل (انگلینڈ) نے نیٹ تھامسن (آسٹریلیا) کو آؤٹ کر کے حاصل کی۔ اسی ٹیسٹ میں پہلی بار 5 وکٹیں بلی مڈونٹر (آسٹریلیا) نے حاصل کی تھی۔ ایک ٹیسٹ میں 10 وکٹیں لینے کا کارنامہ فریڈ اسپوفورتھ (آسٹریلیا) نے 2 جنوری 1879 کو انگلینڈ کے خلاف انجام دیا تھا۔ ایک میچ میں 15 وکٹیں لینے والے پہلے گیند باز جانی بریگز (انگلینڈ) نے 25 مارچ 1889 کو کیپ ٹاؤن میں جنوبی افریقہ کے خلاف یہ ریکارڈ بنایا تھا۔ ایک ٹیسٹ میں تمام وکٹیں لینے والے پہلے اور واحد کھلاڑی جم لیکر (انگلینڈ) تھے، جس نے 26 جولائی 1956 کو مانچسٹر میں آسٹریلیا کے خلاف پہلی اننگ میں 9 وکٹیں اور دوسری اننگ میں 10 وکٹیں لی تھی۔ اس میچ کی 20 ویں وکٹ رن آؤٹ کی شکل میں گری تھی۔ ٹیسٹ کرکٹ کا پہلا No Ball جوئے پامر (انگلینڈ) نے 21 جولائی 1884 لارڈس میں آسٹریلیا کے خلاف پھینکا تھا۔

ٹیسٹ کرکٹ میں سب سے پہلے 100 وکٹیں جارج لوہمین (انگلینڈ) نے 2 مارچ 1896 کو جوہانس برگ میں جنوبی افریقہ کے خلاف، سب سے پہلے 200 وکٹیں کلارینس گریمیٹ (آسٹریلیا) نے 15 فروری 1936 کو جوہانس برگ میں جنوبی افریقہ کے خلاف، سب سے پہلے 300 وکٹیں فریڈ ٹرومین (انگلینڈ) نے 15 اگست 1964 کو لندن میں آسٹریلیا کے خلاف حاصل کرنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اسی طرح پہلی بار 400 وکٹیں رچرڈ ہیڈلی (نیوزی لینڈ) نے 2 فروری 1990 کو کرائس چرچ میں ہندوستان کے خلاف، 500 وکٹیں کورٹنی والش (ویسٹ انڈیز) نے 19 مارچ 2001 کو ٹرینیڈاڈ میں جنوبی افریقہ کے خلاف اور سب سے پہلے 600 وکٹیں شین وارن (Aus) نے 11 اگست 2005 کو اولڈ ٹریفرڈ میں انگلینڈ کے خلاف کھیلتے ہوئے حاصل کی تھی۔ ٹیسٹ کرکٹ میں سب سے پہلے 700 اور 800 وکٹیں لینے کا کارنامہ متھیا مرلی دھرن

(سری لنکا) نے انجام دیا۔مرلی دھرن نے 700 وکٹیں بنگلہ دیش کے خلاف بوگرا میں 3 مارچ 2006 کو اور 22 جولائی 2010 کو ہندوستان کے خلاف گالے میں 800 وکٹیں مکمل کی تھی۔

فریڈ اسپوفورتھ (آسٹریلیا) نے ٹیسٹ کرکٹ میں انگلینڈ کے خلاف 2 جنوری 1879 کو میلبورن میں پہلی ہیٹ ٹرک حاصل کی۔ اسی طرح جمی میتھیوز (آسٹریلیا) نے 28 مارچ 1912 کو مانچسٹر میں جنوبی افریقہ کے خلاف ایک ٹیسٹ کی دونوں اننگ میں ہیٹ ٹرک حاصل کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔ ساتھ ہی اپنے پہلے ہی ٹیسٹ میں ہیٹ ٹرک لینے کا ریکارڈ ماورس ایلم (انگلینڈ) نے 30 جنوری 1930 کو کرائس چرچ میں نیوزی لینڈ کے خلاف قائم کیا تھا۔عرفان پٹھان (بھارت) نے 29 جنوری 2006 کو پاکستان کے خلاف کراچی میں ٹیسٹ کے پہلے ہی دن پہلے ہی اوور میں ہیٹ ٹرک حاصل کرنے کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔اسی طرح وسیم اکرم (پاکستان) نے ایشین ٹیسٹ چمپئن شپ میں سری لنکا کے خلاف 6 مارچ 1999 کو لاہور میں اور 14 مارچ 1999 کو ڈھاکہ میں لگاتار دو ٹیسٹوں میں دو بار ہیٹ ٹرک حاصل کی تھی۔

ٹام ہوران (آسٹریلیا) نے 26 جنوری 1883 کو اپنے پہلے ٹیسٹ کی پہلی ہی گیند پر انگلینڈ کے والٹر ریڈ کو آؤٹ کیا تھا۔

دیگر کارنامے

ایک ہی ٹیسٹ میں سنچری اور ساتھ ہی 10 وکٹیں لینے والے پہلے کھلاڑی ایان بوتھم (انگلینڈ) نے 15 فروری 1980 کو ہندوستان کے خلاف ممبئی میں یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ Knighthood (سرکا اعزاز) کرکٹ کے لیے ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلی بار سر فرانسس لیسی (انگلینڈ) کو دیا گیا تھا۔ٹیسٹ کرکٹ میں دو ممالک کی نمائندگی کرنے والے پہلے کھلاڑی ولیم مڈونٹر تھے جنھوں نے 1877 میں آسٹریلیا کے لیے دو اور 1881 میں انگلینڈ کے لیے 4 ٹیسٹ کھیلے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ کسی ٹیسٹ میں مین آف دی میچ کا ایوارڈ پہلی بار سر گارفیلڈ سوبرس (ویسٹ انڈیز) نے انگلینڈ کے خلاف فروری 1963 میں اپنی آلراؤنڈ کارکردگی پر کنگسٹن ٹیسٹ میں جیتا تھا۔ 6 ستمبر 1880 کو اوول میں آسٹریلیا کے خلاف انگلینڈ کے 3 بھائی ولیم گریس، ایڈوارڈ گریس اور فریڈ گریس نے پہلی بار ایک ہی ٹیسٹ میں اپنے ملک کی نمائندگی کی تھی۔ اسی ٹیسٹ میں ولیم گریس اور ایڈوارڈ گریس نے سنچریاں بنائی تھی۔ٹیسٹ کرکٹ میں یہ پہلا واقعہ تھا جب دو بھائیوں نے ایک ہی ٹیسٹ میں ایسا کارنامہ انجام دیا ہو۔ برادرانہ جڑواں بھائیوں کی پہلی جوڑی آسٹریلیا کے مارک وا اور اِسٹیو وا کی شکل میں 5 اپریل 1991 کو ویسٹ انڈیز کے خلاف ٹرینڈاڈ میں میدان میں اتری تھی۔ اسی طرح یکساں جڑواں بھائیوں کی پہلی جوڑی نیوزی لینڈ کے ہیمش مارشل اور جیمس مارشل کی تھی جنھوں نے 11 مارچ 2005 کو آسٹریلیا کے خلاف آکلینڈ میں اپنے ملک کی نمائندگی کی تھی۔

کرکٹ میں 50 ٹیسٹ کھیلنے والے پہلے کھلاڑی سڈ گریگوری (آسٹریلیا) نے 26 جولائی 1909 کو، 100 ٹیسٹ کھیلنے والے پہلے کھلاڑی کولن کاوڈرے (انگیلنڈ) نے 11 جولائی 1968 کو اور 150 ٹیسٹ کھیلنے والے پہلے کھلاڑی ایلن بارڈر (آسٹریلیا) نے 3 دسمبر 1993 کو یہ کارنامے انجام دیے۔ اسی طرح 16 نومبر 2013 کو 200 ٹیسٹ میچ کھیلنے والے پہلے اور واحد کھلاڑی سچن تیندولکر (بھارت) بنے۔

آؤٹ ہونے کے مختلف اقسام میں پہلے واقعات

ٹیسٹ کرکٹ میں 15 مارچ 1877 کو ایلن ہل کے ذریعے Bowled آؤٹ ہونے والے پہلے کھلاڑی نیٹ

تھامسن (آسٹریلیا) تھے۔اسی دن الفریڈ شا کی گیند پر ایلن ہل کے ذریعے Catch آؤٹ ہونے والے پہلے بلے باز ٹام ہوران (آسٹریلیا) بنے۔ Run آؤٹ اور LBW آؤٹ ہونے کا پہلا واقعہ بھی اسی دن پیش آیا۔ ڈیو گریگوری (آسٹریلیا) پہلے Run آؤٹ ہونے والے کھلاڑی بنے اور ٹام گیریٹ کے ہاتھوں LBW آؤٹ ہونے والے پہلے بلے باز ہیری جوپ (انگلینڈ) تھے۔17 مارچ 1877 کو ٹام کینڈل کے ہاتھوں Caught & Bowled ہونے والے پہلے بلے باز جیمز للّی وائٹ جونیئر (انگلینڈ) تھے۔اسی ٹیسٹ میں 19 مارچ 1877 کو وکٹ کیپر جیک بلیکھم کے ذریعے Stumped آؤٹ ہونے والے پہلے کھلاڑی الفریڈ شا(انگلینڈ) بنے۔ Hit Wicket آؤٹ ہونے والے پہلے کھلاڑی جارج بونر (آسٹریلیا) کو 11 جولائی 1884 کو اولڈ ٹریفرڈ میں ٹیڈ پیٹ نے آؤٹ کیا تھا۔ 5 جنوری 1957 کو کیپ ٹاؤن میں رسل اینڈرین (ساؤتھ افریقہ) بمقابلہ انگلینڈ Handle the Ball آؤٹ ہونے والے پہلے بلے باز تھے۔سر لین ہٹن (انگلینڈ) جنوبی افریقہ کے خلاف 18 اگست 1951 کو اوول میں Obstructing the field آؤٹ ہونے والے پہلے اور واحد کھلاڑی بنے۔ 14 نومبر 1992 کو جنوبی افریقہ کے خلاف ڈربن میں تیسرے امپائر کے ذریعے رن آؤٹ ہونے والے پہلے کرکٹر سچن تینڈولکر (بھارت) تھے۔اسی طرح DRS کے ذریعے پہلا فیصلہ کولمبو میں بمقابلہ سری لنکا وریندر سہواگ (بھارت) کے خلاف 23 جولائی 2008 کو LBW کی شکل میں دیا گیا تھا۔ آؤٹ کرنے کا متنازعہ طریقہ Mankaded out کا پہلا واقعہ 13 دسمبر 1947 کو سڈنی میں وینو منکڈ (بھارت) کے ذریعے بل براؤن کو آؤٹ کر کے پیش آیا۔ مروان اٹاپٹو (سری لنکا) 7 ستمبر 2001 کو بنگلہ دیش کے خلاف کولمبو میں 201 رن بنا کر Retired آؤٹ ہونے والے پہلے بلے باز بنے۔ Retired hurt ہونے والے پہلے کھلاڑی چارلس بینرمین (آسٹریلیا) تھے جنھیں 1877 کے افتتاحی ٹیسٹ میں جارج اُولیٹ کی گیند پر زخمی ہونے پر میدان چھوڑنا پڑا تھا۔اسی میچ میں نیٹ تھامسن (آسٹریلیا) نے چارلس بینرمین کی جگہ میدان میں اتر کر ٹیسٹ کرکٹ کے پہلے بارہویں کھلاڑی کا کردار نبھایا تھا۔

ٹیسٹ کرکٹ میں آج تک کسی بھی بلے باز کو دو اور طریقے یعنی timed out اور Hitting the ball twice کے طور پر آؤٹ نہیں کیا گیا ہے۔

ٹیسٹ چمپئن شپ

ایشین ٹیسٹ چمپئن شپ کا انعقاد پہلی دفعہ 1998-99 میں کیا گیا تھا جس کے فائنل میں ڈھاکہ میں پاکستان نے سری لنکا کو ایک اننگ اور 175 رنوں سے ہرایا تھا۔ 2001-02 میں لاہور میں منعقد دوسری ایشین ٹیسٹ چمپئن شپ میں سری لنکا نے پاکستان کو فائنل میں 8 وکٹوں سے شکست دی تھی۔ کچھ وجوہات کی بنا پر یہ چمپئن شپ جاری نہیں رہ سکی۔ کچھ سالوں بعد عالمی ٹیسٹ چمپئن شپ (2019-21) کا آغاز ہوا جس کا پہلا خطاب جون 2021 میں ساؤتھمٹن میں نیوزی لینڈ نے ہندوستان کے خلاف جیتا۔ حال ہی میں دوسری عالمی ٹیسٹ چمپئن شپ (2021-23) کا فائنل جون 2023 میں اوول میں کھیلا گیا جس میں آسٹریلیا نے ہندوستان کو شکست دی تھی۔

■

Dr. Ahfazul Haque Ansari
'Pasban', Near Gram Panchayat Office
Teachers Colony, New Yerkheda
Kamptee- 441001
Distt.: Nagpur (Maharashtra)

بچوں کی مسکان

عبدالباری

کرنا ہے۔ بچوں کے ادب میں کوشش ہوتی ہے کہ آسان زبان واسلوب میں بچوں کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہر طرح کے علوم وفنون کو کہانی اور نظموں کی شکل میں ان کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ بچے زبان بھی سیکھیں اور ان کا ذوق مطالعہ بھی پروان چڑھے۔

اسی مقصد کے پیش نظر ادب اطفال کے بہت سے رسائل منظر عام پر آتے ہیں اور کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی نے ہمیشہ سے ادب اطفال پر توجہ دی ہے اور رسائل وکتب کی شکل میں بچوں کے ادبی ذوق کو سنوارنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی ہے۔

ادب اطفال پر قومی کونسل کی مطبوعات میں سے ایک سیدہ فرحت کی 'بچوں کی مسکان' بھی ہے۔ سیدہ فرحت کا تعلق علی گڑھ سے رہا ہے، شروع سے ہی ادب اطفال کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور آج تک ادب اطفال کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ سیدہ فرحت نہ صرف یہ کہ بچوں کے ادب سے خاص دلچسپی رکھتی ہیں بلکہ بچوں کی نفسیات اور زبان وبیان پر بھی ان کی اچھی گرفت ہے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ نئے دور کے تقاضے اور ضرورتوں کے مطابق مواد کو ادب کے لیے قربانی کا جذبہ بھی ان کے اندر پیدا کیا جائے۔

اس کتاب کی شروعات ایک دعائیہ نظم سے ہوتی ہے جس کا عنوان 'بچوں کی مسکان' ہے۔

کیسی سہانی، کیسی رسیلی، بچوں کی مسکان
ہنستے اور مسکراتے بچے بھارت دیش کی شان

اس نظم میں اردو اور ہندی کا خوبصورت امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ میری امی، بھائی بہن، آزادی کا باجا، چڑیا کی شادی، ریل گاڑی اور چندا ماموں نظمیں بچوں کے لیے سیدہ فرحت نے بچوں کی نفسیات اور ان کی سمجھ کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے۔ مواد بھی عمدہ ہے اور زبان وبیان بھی آسان ہے، امی یا ماں کائنات کی وہ ذات ہے جس سے ہر شخص کو سب سے زیادہ پیار اور لگاؤ ہوتا ہے اور اس کی ممتا کے آگے دنیا کی ہر دولت قربان ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ عام طور پر شاعر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کرتے ہیں تو ماں پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھتے ہیں اور بچوں کے لیے ماں وہ انمول تحفہ ہے کہ اس کے بغیر ایک پل گزارنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے، سیدہ فرحت کی نظم 'میری امی' بھی اسی طرح کی نظم ہے جسے انھوں نے اپنے بچپن کو یاد کر کے تحریر کیا ہے۔

کیسی اچھی میری امی   پیاری پیاری میری امی
مجھ سے کرتی ہیں یہ پیار   ان کے دم سے ہے گھر بار
جب میں بالکل چھوٹا سا تھا   ان کی گودی میں رہتا تھا
روتا تو بہلاتیں مجھ کو   گودی میں ٹہلاتیں مجھ کو

بھارت کی پھلواری بھی عمدہ نظم ہے دیکھیے شاعرہ نے کس خوبصورتی سے اس میں اتحاد واتفاق کا درس دیا ہے۔

ہم بھارت کی پھلواری کے رنگ برنگے پھول
ایک دوجے کو کانٹا سمجھیں ، ہے یہ اپنی بھول
ایک ہی دھرتی سے ہم سب نے جنم لیا ہے ساتھی
رنگ وروپ اسی دھرتی سے ہم نے لیا ہے ساتھی

ملک کے ہر باشندے اور شہری کو اپنے ملک سے محبت اور الفت ہوتی ہے، بچوں میں بھی اس جذبے کو موجزن کرنا بہت اہم اور ضروری ہوتا ہے، سیدہ فرحت نے بھی اس کام کو اچھی طرح انجام دیا ہے، ان کی بیشتر نظموں میں حب الوطنی اور دیش بھکتی کی عمدہ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ آزادی کا باجا، بھارت کی پھلواری، گاندھی باپو، چاچا نہرو، آزادی کا گیت اور نیا ترانہ وغیرہ نظموں میں حب الوطنی کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے، نیا ترانہ نظم سے شعر دیکھیے۔

یہ اپنا وطن ہے اپنا وطن، ہے اپنے وطن سے پیار ہمیں
اس دیش کے ہر ذرے میں نظر آتا ہے نیا سنسار ہمیں

سیدہ فرحت مختصر کہانیوں کو نظمیہ پیرایے میں لکھنے کا ہنر جانتی ہیں۔

ہم نہ سنیں گے اب یہ کہانی   ایک تھا راجا ایک تھی رانی
نئی کہانی ہمیں سناؤ   امی ہمارا جی بہلاؤ
ہم نہ سنیں گے شیر کا قصہ   آجاتا ہے ہم کو غصہ
کیوں کھاتا ہے ہرن ہمارے   ننھے سے خرگوش بچارے

مسکراہٹوں اور قہقہوں کی ضرورت ہر انسان کو عام کو ہوتی ہے چاہے وہ عمر کی کسی بھی منزل میں ہو، کیونکہ ہنسی مذاق، شوخی اور ظرافت ایسی چیزیں ہیں جن کا مقصد مسکراہٹیں بکھیرنا ہوتا ہے۔ ذہنی تھکان اور بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے مزاح بے حد اہم ہے، سیدہ فرحت بچوں کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں اسی لیے انھوں نے شوخ شرارت نگری، بقراط فلسفہ آبادی، خنداں تبسم نگری، پیٹو رزاق آبادی، منھ پھٹ گستاخ آبادی، پڑھاکو کتاب آبادی اور خاتون خانہ دار کے عنوان سے مزاحیہ نظمیں بھی بچوں کے لیے 'بچوں کا مشاعرہ' حصے میں شامل کیا ہے۔

اہم شخصیات بچوں کے لیے آئیڈیل اور رول ماڈل ہوتے ہیں، بچے ان کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہیں اور اپنے اندر آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرتے ہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین، سرسید احمد خاں، پاپا میاں، مولانا محمد علی جوہر، سروجنی

بچوں کی مسکان مصنف: سیدہ فرحت، صفحات: 64، قیمت: 25 روپے، پہلی اشاعت: 2023، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

نائیڈو اور خواجہ غلام السیدین کے عنوان سے نظمیں بھی ان اہم شخصیات کو جاننے اور بچوں کو ان سے متعارف کرانے کے لیے عمدہ ہیں، سیدہ فرحت نے اس گوشے کو'یادوں کے دیپ' عنوان دیا ہے۔ ذاکر صاحب نظم سے اشعار دیکھیے

جب ان کا ذکر زبان پر ہماری آتا ہے
تو جیسے دل میں کوئی اک دیا جلاتا ہے
وہ جن کا علم کی دنیا میں بول بالا ہے
جہان علم میں پھیلا ہوا اجالا ہے
بتائیں کیا تمھیں ذاکر حسین کیسے تھے
وہ پھول بن کے ہمارے چمن میں رہتے تھے

بچوں کے لیے قوالیاں لکھنے کی روایت بھی قدیم رہی ہے، کھلونا اور دیگر رسالوں میں اہتمام سے قوالی شائع ہوتی تھی، کتاب کے آخری گوشے میں نیا یونیفارم، کھلنڈرے، استاد کا ڈنڈا، بچوں کا کلب، بچوں کا میلہ، چاچا نہرو کی محبت، چاچا نہرو کی یاد اور جشن آزادی ہند ہے یہ کے عنوان سے آٹھ قوالیاں بھی شامل ہیں۔

بچوں کی مسکان شعری مجموعہ بچوں کے لیے اہم اور معلوماتی ہے، زبان و بیان، اسلوب اور لفظیات بھی سادہ اور سلیس ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر بچے جہاں زبان و ادب سیکھیں گے وہیں ان کے اندر حب الوطنی، انسان دوستی اور ہمدردی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ اس کتاب کی فہرست سازی پر مصنف نے کافی محنت کی ہے اور نظموں کی ترتیب بھی بچوں کے ذوق وشوق اور پسند کے مطابق ہے، بچوں کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، یہ کتاب اور اس کی نظمیں یقیناً بچوں کو پسند آئیں گی۔

■

Abdul Bari
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi- 110025
Mob.: 9871523432

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر...................................... بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , فیکس: 011-26108159 فون: 011-26109746

دستخط

زبان شناسی

بے موقع یا غلط استعمال ہونے والے الفاظ

اَحوَال: (ذ)= حال کی جمع = واحد نہیں ہے۔

اَرَاضی: (ث)= اَرض کی جمع، زمینیں، پہلے الف پر مد نہیں ہے۔

اِستِفادَہ: (ذ)= فائدہ حاصل کرنا، استفادہ کے بعد مزید (حاصل کرنا) کا اضافہ غلط ہے۔

اَسلِحَہ: (ذ)= ہتھیار، سلاح کی جمع۔

اِکثر: کثرت سے = کبھی کبھی یا بعض کی جگہ اکثر کا استعمال غلط ہے۔

اَولاد: (ذ)= بیٹیاں، بیٹیاں، ولد کی جمع، واحد نہیں ہے۔

اَولِیاء: (ذ)= وَلی کی جمع، حضرت نظام الدین کا لقب سلطان الاولیاء تھا، ان کو صرف نظام الدین اولیاء کہنا غلط ہے۔

بَرخُوردَارِی: مہمل ہے، برخوردار معنی صاحبِ نصیب، مذکر و مونث دونوں کے لیے برخوردار استعمال ہونا چاہیے۔

بِیبِی: (ث)= معزز خاتون۔

بِیوِی: (ث)= زَوجہ۔

پَر: جہاں، کہاں، وہاں، یہاں کے بعد (پَر) کا استعمال زائد ہے۔

تَابِعدار: تابع معنی ماتحت = تابع کے بعد (دار) زائد ہے۔

تَازی: تاجیک کا معرب، تاجیکستان سے نسبت رکھنے والا، جہاں کے گھوڑے اور شکاری کتے مشہور ہیں۔ تازہ کا مونث نہیں ہوتا۔

تَختِی: (ث) لکھنے کے لیے لکڑی پٹری یا لوح، شعر کے وزن کے لیے تقطیع کی جاتی ہے۔ تختی نہیں۔

تَعِینَات: یہ لفظ غلط ہے۔ صحیح لفظ متعین ہے۔ یعنی مقرر، اس سے ملتا جلتا ہوا ایک لفظ تَعَیُّنَات ہے۔ جو تعین کی جمع ہے۔

جنابہ: ناپاک عورت، جس پر غسل واجب ہو، جناب کی تانیث نہیں ہوتی۔ مذکر و مونث دونوں کے لیے جناب ہے۔

جِنّات: (ذ)= جن کی جمع جنات واحد نہیں ہے۔

جنگِ زرگری: دکھاوے کی لڑائی، اصل میں ملاپ، یہ لفظ مثنوی مولانا روم کے ایک زرگر یعنی سنار کے قصہ سے ماخوذ ہے۔

چُغل خُور: صرف چُغل معنی چغلی کھانے والا (خور) زائد ہے۔

حَشِیش: (ث)، بھنگ، اس کے معنی چرس یا گانجھا نہیں ہیں۔

حَلِیم: بردبار = متحمل مزاج، گوشت کو دالوں کے ساتھ گھونٹ کر پکائے ہوئے، ایک کھانے کو بھی حلیم کہتے ہیں جو لحم یعنی گوشت کی نسبت سے (لحیم) کا مخرب ہے۔

خَضرا: صحیح لفظ خضرا ہے، معنی ہرا، سبز۔

دَام اِقبَالُہٗ: اس کا اقبال ہمیشہ قائم رہے، واحد غائب کا صیغہ۔

دَرمیَان: بیچ میں، درمیان کے بعد (میں) کا استعمال غلط ہے۔

دیہَات: (ذ)، دِہ کی جمع، گاؤں، دیہات واحد نہیں ہے۔

ذِمّہ دار: جواب دہ (د) کے بجائے (و) نہیں ہے۔

ذوُ مَعنی: معنی والا، کہنے کا مقصد ہوتا ہے ایک سے زائد معنی والا، اس کے لیے (ذوُ معانی) ہونا چاہیے۔

■

ماخذ: صحت الفاظ: سید بدرالحسن، **چھٹی طباعت:** 2014،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

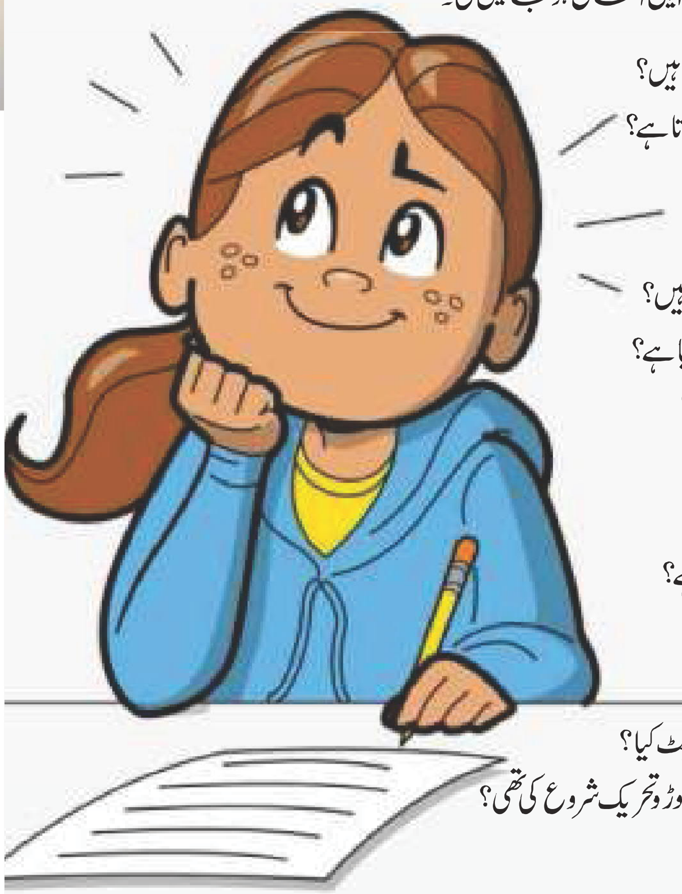

1. اولمپک گیمز کتنے برس بعد منعقد ہوتے ہیں؟
2. مریخ کے لیے اسرو کے مشن کو کیا کہا جاتا ہے؟
3. دنیا کا تیز ترین سوپر کمپیوٹر کون سا ہے؟
4. کون سا رنگ امن کی علامت ہے؟
5. پرندوں کے سائنسی مطالعے کو کیا کہتے ہیں؟
6. خلا میں جانے والی پہلی خاتون کا نام کیا ہے؟
7. نوبل انعام کس کی یاد میں دیا جاتا ہے؟
8. ATM کا فل فارم کیا ہے؟
9. جامعہ ملیہ اسلامیہ کس سن میں قائم ہوا؟
10. 'بچوں کی دنیا' کہاں سے شائع ہوتا ہے؟
11. پلاسی کی جنگ کب لڑی گئی؟
12. پٹنہ کا قدیم نام کیا تھا؟
13. مشہور آرٹ ورک مونا لیزا کس نے پینٹ کیا؟
14. گاندھی جی نے کس سال ہندوستان چھوڑو تحریک شروع کی تھی؟
15. WWW کا مطلب کیا ہے؟
16. بنجارہ نامہ نظم کے خالق کا نام بتائیں؟
17. وطنی نظمیں کس کی تصنیف ہے؟
18. ہومیوپیتھی کا عالمی دن کب منایا جاتا ہے؟
19. مادری زبانوں کا عالمی دن کب منایا جاتا ہے؟
20. ایک کروڑ میں کتنے زیرو ہوتے ہیں؟

(جواب صفحہ نمبر 27 پر ملاحظہ فرمائیں)

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

شہد و شکر سے شیریں اردو زباں ہماری
ہوتی ہے جس کے بولے میٹھی زباں ہماری

—الطاف حسین حالی

اردو ہے جس کا نام ہماری زبان ہے
دنیا کی ہر زبان سے پیاری زبان ہے

—دتاتریہ کیفی

میری گھٹی میں پڑی تھی ہو کے حل اردو زباں
جو بھی میں کہتا گیا حسن بیاں بنتا گیا

—فراق گھورکھپوری

وہ عطردان سا لہجہ مرے بزرگوں کا
رچی بسی ہوئی اردو زبان کی خوشبو

—بشیر بدر

رس گھولتی ہے جس کی آواز پیاری پیاری
وہ مادری زباں ہے اردو زباں ہماری

— کیف احمد صدیقی

وہ بولتا ہے نگاہوں سے اس قدر اردو
خموش رہ کے بھی اہل زباں سا لگتا ہے

—نامعلوم

وہ کرے بات تو ہر لفظ سے خوشبو آئے
ایسی بولی وہی بولے جسے اردو آئے

—احمد وصی

زندہ ہے اپنا ذوق و شوق اس سے
آرزوؤں کی جان ہے اردو

— کرشن موہن

بچپن نے ہمیں دی ہے یہ شیرینِ گفتار
اردو نہیں ہم ماں کی زباں بول رہے ہیں

— آذر بارہ بنکوی

سیکڑوں اور بھی دنیا میں زبانیں ہیں مگر
جس پہ مرتی ہے فصاحت وہ زباں ہے اردو

—نامعلوم

بات کرنے کا حسیں طور طریقہ سیکھا
ہم نے اردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

— منیش شکلا

مرے کانوں میں مصری گھولتا ہے
کوئی بچہ جب اردو بولتا ہے

—مشتاق دربھنگوی

آمنہ محمود مسعود، درجہ پنجم، اردو ہائی اسکول بادشاہ نگر، نندوربار، مہاراشٹر

روہیل اسلام، درجہ ہشتم، رانی پبلک اسکول، اوروگبڑ، ضلع مرشدآباد، مغربی بنگال

نازنین پروین زاہدالدین پٹیل، درجہ پنجم
ضلع پریشد اردو اسکول، ہاشم پور، جلگاؤں، جامود، مہاراشٹر

آمنہ ثاقب، درجہ دوم، دی اسکالر اسکول، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

منیب الرحمٰن نوید احمد انصاری، درجہ سوم، زکریا اگھاڑی، اردو پرائمری اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

مہک ناز، درجہ سوم، رفیع احمد قدوائی، پرائمری اسکول، وڈسا، مہاراشٹر

مصباح رشید، درجہ ششم، محمد شریف سوداگر، مومن ہائی اسکول، دسائی گنج، واڈسا، مہاراشٹر

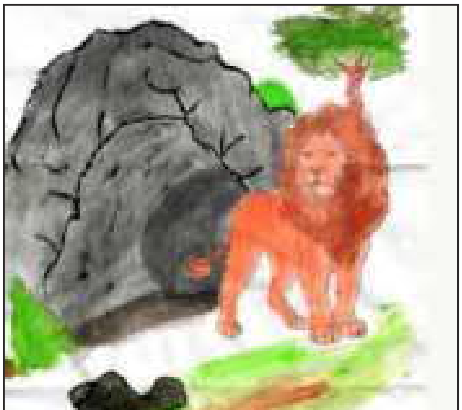

امیلیہ عنایت، درجہ چہارم، گاڈک واڑ، تعلقہ، خانپور، بیلگام، کرناٹک

سید ذوالفقار الحق ابن سید آفتاب عالم، دریاپور، سونگڑہ، کٹک، اوڈیشا

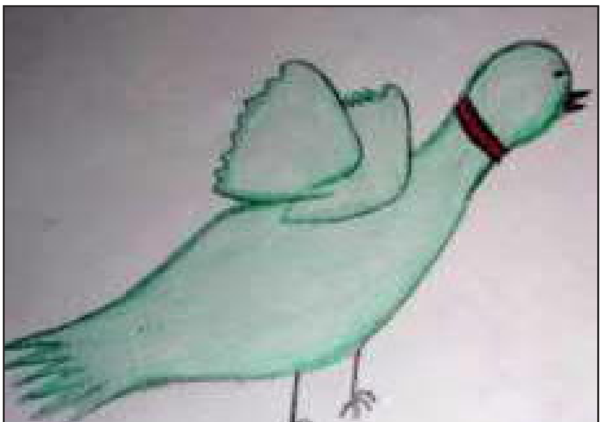

احمد رضا عطاء الرحمٰن، درجہ دوم، کریسنٹ اردو پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

سارہ رفیق خان، درجہ چہارم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ مہاراشٹر

جنید خان، درجہ ششم، ڈان بوسکو اسکول، دہلی

ننھے فنکار

حنا کوثر محمد افضال، درجہ نہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

فرزانہ خاتون محمد حسین، درجہ چہارم، بھیونڈی نظام پور شہر
میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

عائز لیٰسین، درجہ سوم، ماس انٹرنیشنل اسکول، دربھنگہ، بہار

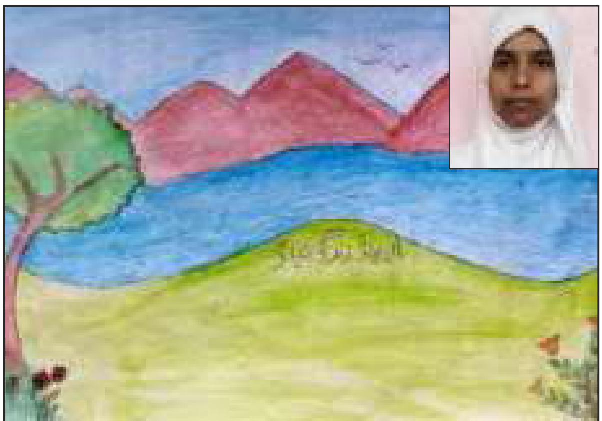

صائمہ پروین محمد کلیم، درجہ دہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سکنڈری اسکول حریر پورہ برہانپور، مدھیہ پردیش

حمدان نبیل، ایل کے جی، آئیڈیل پبلک اسکول، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

حفصہ درانی، درجہ پنجم (بی)، ریان انٹرنیشنل اسکول، شاہجہاں پور، اتر پردیش

ننھے فنکار

اقراء مشیم الدین، درجہ ششم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

سید معاذ زہان، دریاپور سونگڑہ، کٹک اڈیشا

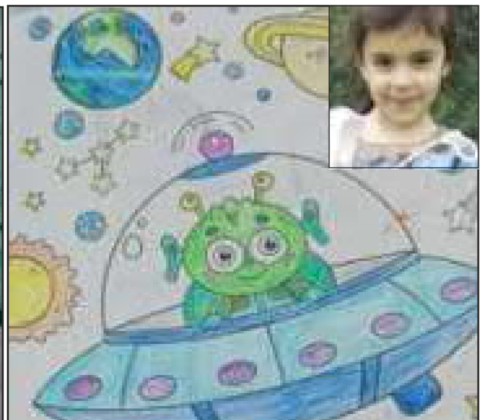

فدیلہ فیاض، درجہ اوّل، ماڈرن پبلک اسکول، سالیہ اننت ناگ، کشمیر

ہما عرشیہ مظہر حسین، درجہ دہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری سکول، حریر پورہ برہانپور، مدھیہ پردیش

زائرہ فردوس، درجہ چہارم، دارالمدینہ اسکول، ممبئی

محمد عاقب عجیب الدین خان، درجہ پنجم
المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تا کہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक ,फरवरी 2024, वर्ष 12, अंक 02
BACHON KI DUNIYA Monthly, February 2024 Vol. 12, Issue: 02
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/01/2024
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

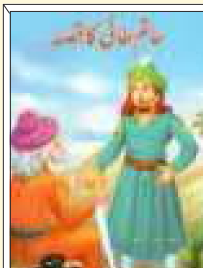
صفحات:86 ، قیمت:30 روپے

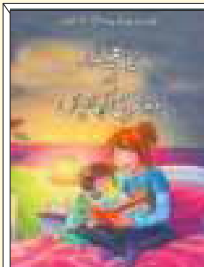
صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

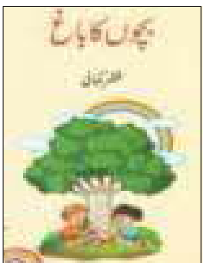
صفحات:50، قیمت:20 روپے

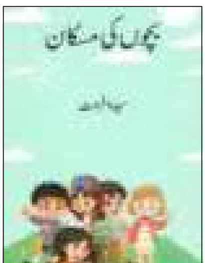
صفحات: 64، قیمت:25 روپے

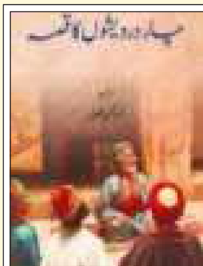
صفحات:70، قیمت:30 روپے

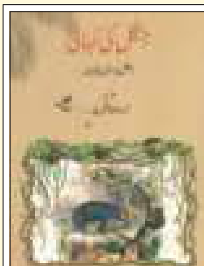
صفحات :118، قیمت:30 روپے

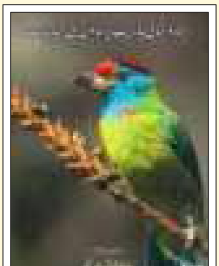
صفحات: 108، قیمت: 95 روپے

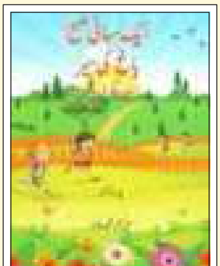
صفحات :101، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Dhananjay Singh, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6